

$$\frac{17}{12}$$

فہرست مضامین

ماہنامہ الحق اکوڑہ ٹھلہ

محرم الحرام ۱۴۰۲ھ تا ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ جلد ہفتم اکتوبر ۱۹۸۱ء تا ستمبر ۱۹۸۲ء

سترونی جلد کے مضامین کی یہ فہرست موضوعات کے لحاظ سے اُن سلسلہ وار صفحات کے حوالہ سے دی ہے جو ہر صفحہ کے نیچے لکھے ہوئے ہیں یہ فہرست جلد کے آغاز میں لکوا لیجئے۔ (سمیع الحق)

نقش آغاز (اداریہ) سمیع الحق

۲۵۵	اجلاس وفاق المدارس	۲	ہیں جلد کا آغاز
۳۱۸	قادیانیوں کے متعلق صدارتی آرڈیننس	۳	المعوم دیوبند کا بحران
۴۴۶	ہمارے قومی و ملی مسائل (مجلس شوریٰ میں)	۴۶	ن چاند مدینہ کی آمد
۵۱۰	دینی اور مادی علوم مقاصد و نتائج	۱۳۰	فی مجلس شوریٰ میں نفاذ اسلام کی قرارداد اور تحریک التواء
		۱۹۸	فی مجلس شوریٰ

مذہب - حقانیت و صداقت اسلام - عقائد احکام

۳۴۷	شباب کی حرمت - شیخ عبداللہ سبیل	۵	رج جسمانی عقل و عقل کی روشنی میں - مولانا حسین احمد مدنی
۳۸۶	روزہ - مولانا سید عبدالحی	۱۳	بہ قیامت و مجازات اعمال علامہ شمس الحق افغانی

دعوات عبدیت حق - شیخ الحدیث مولانا عبدالحی مظلہ

۲۶۶	کارزار بدر اور حضور کا تعلق مع اللہ	۶۹	دستِ درس بخاری
۵۸۹	طلبہ علوم نبوت تعاضد اور ذمہ داریاں	۲۵۸	بہ استقبالہ اجلاس وفاق المدارس

قرآنیات

۳۹۱	حفاظت و اشاعت قرآن مجید - مولانا عبدالحق	۹۵	یہ تاکید کا ترجمہ اور شاہ عبدالقادر دہلوی - مولانا اخلاق حسین
۴۹۵	قرآن کریم صحیفہ نفرت یا پیام آشتی	۱۱۵	پیشات القرآن - حافظ محمد ادریس طوروی
۶۸۳	مذہب اہل کتاب کی حقیقت	۱۷۷	قرآن اور سائنس - بشیر محمد اختر

سنت و سیرت مطہرہ

۲۰۱	شائ بنوری کی ایک حسین و جامع تصویر - سمیع الحق	۴۸۴	امام ابو حنیفہؒ اور علم حدیث -
۴۷۱	انسان کامل اور حضورؐ کی کامیابی - مولانا اسماعیل سندیلوی	۵۲۹	بخاری کی آخری حدیث کی تشریح - مولانا عبدالمحکم

نظام حکومت ، فقہ اسلامی ، آئین و قانون

۵۵	فروعی اختلافات میں ائمہ اربعہ کا لائحہ عمل - شاہ ولی اللہؒ	۴۶۳	مروجہ قانون شہادت اور اسلامی قانون - ڈاکٹر تنزیل الرحمان
۳۲۲	قانون شفعہ (تقریر) - سمیع الحق	۵۵۹	اور اب حدیث سے انکار - عبدالقیوم
۳۳۱	ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد مطلق - عبدالقیوم بنوری	۶۰۷	اسلام کا قانون صحیح النسخ اور مروجہ قانون - تنزیل الرحمان
۴۰۳	حق شفعہ اور اسلام - ڈاکٹر تنزیل الرحمان		

وفاقی مجلس شوریٰ میں نظام اسلام کیلئے مساعی - سمیع الحق

۱۳۰	اسلامی نظام - تحریک التواء اور قرارداد - سمیع الحق	۳۲۲	قانون شفعہ (تقریر)
۱۸۷	پیغامات	۴۱۷	اسلامی نظام اور رکاوٹیں
۱۹۸	وفاقی مجلس شوریٰ - سمیع الحق	۴۴۶ ، ۵۷۰	بحث تقریر قومی دہلی مسائل

شخصیات - سوانح

۲۹	نور شہان خان خٹک کا خاندان اور تصدیق - ڈاکٹر محمد حنیف	۳۸۱	شیخ الحدیث مولانا زکریا کا سفر آخرت
۳۹	مولانا عبداللطیف ناظم مظاہر العلوم - اعجاز احمد خان	۳۸۰	مولانا زکریاؒ - ابوالحسن علی ندوی - منظور لغمانی
۱۷۳	اقبال اور خمینی کی فکری ہم آہنگی - خسروی	۴۸۰	امام ابو حنیفہؒ اور علم حدیث - عبدالقیوم
۲۲۵	وفیات	۵۵۰	درد مدح مولانا عبدالحق (فارسی از محمد حسین نسبی)
۲۹۶	مولانا کرامت علی جوینیؒ - اعجاز احمد	۶۱۳	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی - ابراہیم احمد فاروقی
۳۰۰	مرثیہ مولانا غلام غوث ہزاروی - رضا الحق	۶۳۲	مولانا عبدالرحمان کھوٹوی
۳۶۱	احمد شاہ ابدالی - ایک صد فی منش فرماں روا -	۱۵۷	سر سید احمد خان - افکار و سیرت کا ایک لاکھ جائزہ
۳۷۵	مولانا عبدالمحکم مردانی	۶۷۰	فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ

فرق باطلہ - قادیانیت وغیرہ

۳۱۸	صدارتی فرمان اور قادیانیت -	۳۲۰	صدارتی فرمان کا متن
-----	-----------------------------	-----	---------------------

عروج و زوال - جہاد

۲۷۸	جہاد اور اسلام - شمس الحق افغانی		
-----	----------------------------------	--	--

عالم اسلام، تاریخ و سیروسیاحت

۵۷۳	مغربی افریقہ کے مسلمان	بہادر افغانستان (خصوصی رپورٹیں) ۲۲-۱۴۱-۲۳۷-۲۴۷
۶۲۹	ہانگ کانگ میں مسلمانوں کے حالات	مسلمان عرب کے تعمیری آثار - ڈاکٹر محمد حنیف ۸۳-۱۵۹
۶۶۳	تحریک روشنیہ اور قیام پاکستان	بہادر افغانستان کے حقانی شہداء - محمد ابراہیم ۲۳۷
۶۸۳	مذہب اہل کتاب کی حقیقت	فرعون اور نمرود کے شخصی نام - ڈاکٹر حمید اللہ ۵۷۵-۵۷۷
		ابن کاسم شہد اکبر - صباح الدین ۵۲۵

مذہب اور سائنس

مذہب اور سائنس - پروفیسر طفیل ہاشمی ۵۹۵

ادبیات — لسانیات

۶۹۳	معدن المعانی کی تاریخی و دینی اہمیت -	ملت افغان اور عربی زبان و ادب کی خدمت از بخت روان ۱۰۳
۷۰۳	مخزن التفاسیر -	پاک و ہند میں عربی زبان کی ابتداء از بخت روان ۵۶۵

تعلیم و تربیت، تعلیمی ادارے، نصاب و نظام تعلیم

۵۱۰	دینی اور مادی علوم - سمیع الحق	دارالعلوم دیوبند کے اختلافات - شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ۱۴۵
۵۳۹	قرن اول میں مدارس حدیث (مجلدہ الرابعہ)	دینی مدارس کی عظمت - قاضی زاہد الحسنی ۳۳۷
۶۲۵	دارالعلوم حقانیہ کا درس حدیث از حافظ عبد اللہ	اسلام میں بچوں کی قدر و قیمت - محمد یوسف فاروقی ۳۵۳
		دارالمنصفین کا سینار - ڈاکٹر احمد خان ۵۷۱، ۵۷۷

متفرقات — افکار و اخبار

۵۱	حقانی لینڈ کے مسلمان، جدید فلسفہ وغیرہ -
۷۱۰	مکتوب فرانس - ڈاکٹر حمید اللہ -
۷۱۰	سنین وفات کی تصحیح از مفتی سیاح الدین
۷۱۰	فقیر جیل بیک کی تاریخ وفات -
۶۳۹	نایجیریا اور قادیانی، حقانی لینڈ کا پاکستانی سفارتخانہ
۶۱۸ — ۳۷۰	امام ابوحنیفہؒ افغانی تھے یا فارسی

خطوط مشاہیر و اکابر

شاہ فضل اللہ کے نادر خطوط - پروفیسر محمد اسلم ۶۲۳

دارالعلوم کے شب و روز

۵۷	بحث اجلاس
۵۹	وفاتی نتیجہ دورہ حدیث
۶۶	وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی کی آمد
۱۴۷	وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی کا خطاب
۲۴۸	دارالعلوم و بانی دارالعلوم از شیخ عبدالفتاح البوہدہ
۲۴۷	داروین و صادرین
۲۴۳	مولانا زکریا کی تعزیت، امتحانات سالانہ، مولانا محمد جہان کی وفات وغیرہ
۶۴۰	شب و روز
۵۸۶	وفاتی نتیجہ دورہ حدیث
۷۰۷	شب و روز - بحث اجلاس

کتابیات - تعارف و تبصرہ کتب

۶۱	سنت نبویہ اور قرآن کریم از حبیب اللہ مختار - تلک حدود اللہ - رجاء بینہم
۱۷۷	بائبل قرآن اور سائنس (فرانسیسی مصنف)
۲۴۱	نقشِ دوام (سوانح مولانا انور شاہ) از مولانا عبدالقدوس قاسمی
۲۵۱	حضرت معاویہؓ اختلاف یزید، جمعیتہ العلماء ہند، افغانوں کی نسلی تاریخ (مفتی محمد فرید و اختر راہی)
۲۸۶	راہِ نجات اور اس کا مصنف (محمد ایوب قادری)
۳۰۶	مطالعہ الخواشی (ڈاکٹر عبدالرحمان شاہ)
۳۱۲	یہودیت اور مسیحیت (حافظ نذر احمد) ہمارے ذائقہ و حقائق، اسلام کا نظام امن (اختر راہی)
۳۷۷	البرونی اور جغرافیہ عالم، مارکسیت کا مغالطہ، اسلام کا قانون شہادت (اختر راہی مفتی غلام الرحمان)
۴۴۱	سلوک سلیمانی (از محمد اشرف)
۵۰۳	معالم العرفان فی دروس القرآن، تحفہ امامیہ، ماہنامہ عرب، عقیدہ ظہور مہدی، وصایا، تعلیماتِ رحیمی
	اشتراکی نظریات (پشتہ) حدائق الحنفیہ ۵۸۲ - سیرت سید المرسلین - ۶۴۱ - جمعیت علماء ہند حصہ دوم -
	قرآن ایک نظریں ۶۴۲ - سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی - مسائل نماز - عزوات نبوی ۶۴۳

اے۔ بی۔ سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

فون نمبر دارالعلوم - ۴ لہ دعوت الحق فون نمبر رہائش - ۲

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

ستمبر ۱۹۸۲ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۱۴

شمارہ نمبر ۱۲

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

۶	ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری	سر سید - افکار و سیرت کا ایک بے لاگ جائزہ
۱۵	ڈاکٹر عبدالرشید - کراچی	تحریک روشنیہ اور قیام پاکستان
۲۳	کر نل محمد اعظم	فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص
۳۵	بشیر محمود اختر	مذہب اہل کتاب کی حقیقت
۴۵	پروفیسر محمد اسلم	معدن المعانی کی تاریخی و دینی اہمیت
۵۷	ڈاکٹر وحید الرحمن شاہ	مخزن التفاسیر
۶۱	شفیق ناروٹی	دارالعلوم کے شب و روز (بجٹ اجلاس)

بدل اشتراک

— پاکستان میں سالانہ ۲۵ روپے فی پرچہ ۲/۵ روپے
— بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ - ہوائی ڈاک ۵ پونڈ



سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس لپٹاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

سر سید احمد خان

افکار اور سیرت کا ایک لاک جاتزہ

سر سید کی زندگی اور ان کے افکار و سیرت پر جب بھی نظر ڈالی جائے گی تو وہ دو بڑے ادوار میں بٹی ہوئی نظر آئے گی۔ پہلا دور ۱۸۵۷ء پر ختم ہوتا ہے اور دوسرا دور انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوتا ہے۔ سر سید کی تعلیم (اور وہ متوسط کتا بوں سے آگے نہیں بڑھی تھی) اور تربیت پرانے انداز پر ہوئی تھی۔ اس میں قدیم نظام تعلیم و تربیت کی جہاں بہت سی خوبیاں تھیں، انحطاط پذیر معاشرے اور بگڑے ہوئے جاگیردارانہ ماحول کی خامیاں بھی تھیں۔ حصول تعلیم کی خاص عمر میں تعلیم سے بے توجہی اور عدم تکمیل، آوارگی۔ میبلوں مٹیلوں میں شرکت کا شوق، لاک رنگ کی مجلسوں کا پسکا۔ رنڈی بازی وغیرہ کی لت اسی انحطاط پذیر معاشرہ اور بگڑے ہوئے جاگیردارانہ ماحول کے اثرات تھے۔ لیکن مسلمانوں کے قدیم معاشرے کی جو خوبیاں اس وقت موجود تھیں اور بعد میں رفتہ رفتہ معدوم ہوتی چلی گئیں ان میں سے بعض سر سید میں موجود تھیں۔

سر سید کی زندگی کا پہلا دور روایتی انداز میں شروع ہوتا ہے۔ وہ اپنے گھر سے، اپنے خاندان کے بزرگوں سے، اپنے استادوں سے، اپنے دوستوں سے، اگر دو پیش کے حالات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور ان کا ماحول جس قسم کی شخصیت کی تعمیر کرنا چاہتا تھا اسی طرح ان کی تعمیر ہوئی۔ ان کے افکار و معتقدات اور شوق و مشاغل سب وہی تھے جو ان کی طرح دوسرے نوجوانوں کے تھے۔ لیکن ان کا اظہار سر سید کی اپنی شخصیت کے حوالے سے ان کے مخصوص انداز میں ہوا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ان کی بالکل قلب ماہیت ہو گئی تھی۔ اس تبدیلی کی بنیاد ان کی سرکاری ملازمت کے آغاز سے پڑ چکی تھی۔ تکمیل ۱۸۵۷ء کے بعد ہوئی۔ اب وہ اپنے انداز فکر اور افکار و عقائد کے لحاظ سے بالکل مختلف شخصیت تھے۔ ایک قالب میں روح کے تسلسل نے انہیں ایک شخصیت کہنے پر مجبور کر دیا ہے ورنہ وہ اپنے پورے نظام فکر کے لحاظ سے ایک دوسری شخصیت کہلا جانے کے مستحق تھے۔ اس تالیف کے آئینے میں یہ دونوں مختلف اور متضاد شخصیتیں دکھائی جاسکتی ہیں۔ جدید تعلیم کی اشاعت، زبان و ادب کی ترقی، صفحات کے ذوق کی تعمیر تحقیق و تدوین اور تالیف، و تراجم

کی تحریک یہ سرسید کی خدمات کا انکار ممکن نہیں۔ بلکہ ہم ان کا شاندار الفاظ میں اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں دینی بے راہروی کی اگر علمی بنیادیں تلاش کریں تو وہ سرسید کی تفسیر مذہب الاخلاق کے مقالات، مذہبی مسائل و معتقدات کے بارے میں ان کے اسلوب اور افکار میں تلاش کرنی چاہئیں۔ سرسید نے بعض مذہبی معتقدات کے لئے صرف تاویل ہی کا طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ انکار و تمسخر کی روش کو اپنایا ہے۔ انہوں نے اسلامی معتقدات کی سربفلک عمارت کو ڈھایا ہی نہیں بلکہ اس کی تباہی پر قہقہے بھی لگائے اور اس کی شان و رفعت کا مذاق بھی اڑایا۔ میں یہاں ان کی تفسیر سے صرف ایک اقتباس پیش کروں گا۔ جنت کی حقیقت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے اس میں سنگ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل

ہیں۔ باغ میں شاداب و سرسبز درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں، ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی و ساقین نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوکنیں پہنتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں، ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے۔ ایک نے ران پر سر دھرا ہے، ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے، کوئی کسی کو نے میں کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کو نے میں کچھ۔ ایسا بے ہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں"

اس عبارت کو ایک بار نہیں بار بار پڑھئے اور غور کیجئے، کیا یہ ایک اسلامی اور مسیحی برنص قرآنی عقیدے کی حکیمانہ تفسیر اور محض تاویل ہے یا انکار و تمسخر کیا اسے پڑھنے کے بعد سرسید کا کوئی معتقد اسلامی عقائد پر قائم و استوار رہ سکتا تھا اور رہا؟ حیرت ہوتی ہے کہ سرسید سا عقل پرست، اور وہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے علم کلام کے ایک نئے مکتبہ فکر کی بنیاد رکھی، فہم و بصیرت اور حکمت سے دور ایسی باتیں کہتا ہے۔ جنت کا خود ہی ایک نقشہ کھینچتا ہے پھر اس پر بے ہودہ پن کی پھبتی کستا ہے اور پھر اپنے خرابات سے اس کا موازنہ کر کے انہیں جنت۔ سے ہزار درجہ اچھا بتاتا ہے۔ یا للعجب!

یہ ہے اس دور کی بے دینی اور بدعقیدگی کا سرچشمہ جس کی تلاش میں ہمارے اہل علم اور اصحاب فکر زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں اور سر رشته فکر پھر بھی ہاتھ نہیں آتا۔ یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ اس صدی کی بے دینی، مذہبی بے راہ روی اور بدعقیدگی کے تمام ڈانڈے سرسید سے ملتے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور اسلامی شعائر کے احیاء میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ حضرات ہیں جو سرسید کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔

سرسید کے دودشمن تھے۔ ایک انگریز کے مخالف اور برصغیر کی آزادی کے خواہاں۔ دوسرے علماء دین

اور تاریخ مسلمانان ہند کا یہ عجیب اتفاق ہے کہ علمائے دین ہی انگریزوں کے سب سے بڑے مخالف تھے۔ سر سید نے دونوں حیثیتوں سے علمائے دین کو کبھی معاف نہیں کیا۔ تفسیر کے دینی مباحث میں ادب کے سنجیدہ مضامین ہیں مثیلوں اور تجزیوں میں انہوں نے انگریزوں کے ان دشمنوں کو اپنی مخالفت، طنز و تعریض اور تضحیک و تمسخر کا نشانہ بنایا۔ انگریز سے دوستی اور اس کے مخالفوں کی دشمنی سر سید کا مذہب تھا۔ کوئی شخص انگریز سے دشمنی کر کے سر سید کا دوست نہیں بن سکتا تھا۔ گویا یہ دو تلواریں تھیں جو سر سید کے میان قلب میں جگہ نہ پاسکیں۔ اسی طرح مذہبی حیثیت میں انگریز کے ان دشمنوں کی مخالفت اور طنز و تعریض ان کا دین بن گیا تھا۔ دینی معتقدات پر ایمان رکھنے اور انہیں بیان کرنے والے ان کے نزدیک "کوڑہ مغر۔ ملا" اور "قل اعوذی" تھے اور زہر و دوسرے کی زندگی اختیار کرنے والے کے لئے انہوں نے "شہوت پرست زاہد" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

ملا۔ صوفی۔ زاہد، قاضی، ناصح، اور واعظ کے متعلق شاعری میں طنز و تضحیک کے مضامین ملتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ اردو یا فارسی کا سب سے پہلے شاعر کون اور کس عقیدے سے تعلق رکھتا تھا جس نے اسلامیات کی ان اصطلاحات اور دینی علم و سیرت رکھنے والی شخصیات کے خلاف یہ ادبی سازش کی اور اسلام سے تنفر کی تحریک کا آغاز کیا۔ یہ بات روز و روشن کی طرح عیاں ہے کہ اردو ادب میں اس تحریک کے آغاز کا سہرا سر سید ہی کے سر ہے۔ یہ محض قیاس یا سو رن نہیں بلکہ ایک عریہ کی تحقیق کے مطابق دینی فکر کے حامل افراد کے لئے "قل اعوذیوں کی اصطلاح سب سے پہلے سر سید نے استعمال کی۔ انہوں نے اسلامی معتقدات کی ایسی تاویل کی کہ پورا نظام عقائد درہم برہم ہو گیا۔ ان کے لئے ایسا اسلوب اختیار کیا کہ پھر انہیں مانتے ہوئے شرم عسوس ہونے لگی۔ اور مخالفین اسلام کے حملوں کے دفاع کے لئے ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں رہا۔ دینی علم و سیرت رکھنے والوں کے خلاف انہوں نے طنز و تعریض اور تضحیک و تمسخر کے اتنے تیر بر سائے اور ان کے پاکیزہ چہروں کو ایسا مسخ کر کے پیش کیا کہ لوگوں کے قلوب ان کی عقیدت و محبت کے جذبات سے خالی ہو گئے۔

کسی عقیدے یا فکر سے وابستگی اور قلوب میں اس کے رسوخ کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ عقیدے اور فکر کا حسن کسی کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔ اس طریقے سے ظاہر ہے کہ اہل علم ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس عقیدے اور فکر کے حاملین کی پاکیزہ سیرتیں اور نورانی چہرے دیکھ کر قبول حق کے لئے لوگوں کے قلوب کھل جائیں۔ سر سید نے ایک طرف تو علمائے دین کے تذکرے کے لئے جو اسلوب اختیار کیا، اس نے اس ذریعے سے اسلام سے متاثر ہونے میں ایک رکاوٹ کھڑی کر دی۔ اور اسلامی معتقدات کے لئے جو طرز استدلال اختیار کیا اس سے قبول حق کے لئے قلب کھلنے کے بجائے اعراض و انکار کا دروازہ کھل گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان اسلام اور اسلامی معتقدات سے برگشتہ ہوئے اور غیر مسلمان قبول اسلام کے عمل سے رک گئے۔ یہوں بھی دیکھئے کہ زندگی بھر تو کوئی شخص سر سید

کی مذہبی صورت سے متاثر ہوا، نہ ان کی شرح و تفسیر انجیل پڑھ کر کسی عیسائی نے اپنے عقیدے سے توبہ کی۔ نہ ان کے مذہبی مقالات اور تفسیر قرآن پڑھ کر کوئی غیر مسلمان مسلمان ہوا۔ نہ مسلمان پکا مسلمان بنا۔ ان کے مکتب کی سب سے بڑی کڑمت یہ رہی ہے کہ اس نے "قانونی مسلمان" (بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی) اور نثار و قربانی کی راہوں سے دور شعور و ہنگامہ کرنے والے تعلیم یافتہ پیدا کیے۔ آج پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور توہی زبان کے نفاذ کی تحریک میں اہل علم اور نوکیشا ہی کا جو طبقہ کسی نہ کسی سطح پر مخالفت کر رہا ہے وہ سرسید کا مستعد ہے۔ یا ان سے کسی نہ کسی قسم کا ذہنی و فکری رشتہ ضرور رکھتا ہے۔

ایک اہم مسئلہ سرسید کی تفسیر کی اشاعت کا ہے سرسید نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عام لوگوں میں اس کا شائع ہونا اچھا نہیں۔ لیکن تفسیر تو سرسید نے خود شائع کی اور اردو میں شائع کی۔ سوال یہ ہے کہ اردو دان طبقہ کا تعلق عام لوگوں سے کیا خاص ہے؟ یہ کوئی نزاعی مسئلہ نہیں کہ اردو دان آج بھی "عام لوگ" سمجھے جاتے ہیں اور خواص "وہ سمجھے جاتے ہیں جو صرف اردو دان نہ ہوں۔ بلکہ عربی، فارسی سے بھی واقف ہوں یا پھر انگریزی زبان و ادب یا دنیا کی کوئی اور بڑی اور علمی زبان اور اس کے ادب سے واقف ہوں۔ پس اگر تفسیر خواص کے لئے لکھی جاتی تو عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی وغیرہ زبانوں میں سے کسی زبان میں ہوتی۔ لیکن یہ روایت بھی تو حتمی کی ہے کہ ایک مولوی نہایت معقول اور ذی استعداد سے سرسید نے سوال و جواب کے بعد کہا: میری تفسیر آپ کے لئے نہیں ہے، وہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مذکورہ بالا عقائد (حشر و نشر، عذاب و ثواب، بہشت و دوزخ، فرشتہ و شیطان اور قیامت وغیرہ) پر پختہ یقین نہیں رکھتے یا ان پر معترض یا ان پر مترو ہیں۔

اس مقام سے یوں ہی نہ گزر جائیے، غور فرمائیے کہ ان کی تفسیر خود ان کے بقول "نہایت معقول اور ذی استعداد" اشخاص کے لئے نہیں تھی اور ان ہی کے بیان کے مطابق "عام لوگوں میں بھی اس کا شائع ہونا اچھا نہیں تھا" عام لوگوں میں تو اس کی اشاعت کی عدم مناسبت اور عدم ضرورت کی مصلحت سمجھ میں آتی ہے۔ کہ ان میں اسلامی مستفادات کے بارے میں نہ اس وقت شک و شبہ پایا جاتا تھا نہ آج۔ نہ وہ ان پر کبھی معترض ہوئے، نہ انہیں ان کے ماننے میں کبھی تردد ہوا۔ ان کے ذہن منطوق و فلسفہ کی باریکیوں کو قبول ہی نہیں کرتے۔

اب سرسید کی تفسیر کے مطالعہ کے دوسرے حاجت مندوں کی ضرورت پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ انگریزی زبان کا علم اس وقت تک عام نہ ہوا تھا، اس کا نہر کہاں پھیلنا اور اس تربیاق کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ جدید علم و فلسفہ اور ان کی موشگافیوں اور قدیم حکماء، معتزلہ کی تاویلیت سے عوام تو عوام، خواص بھی ناواقف تھے۔ چہاں جدید و قدیم علوم کی تعلیم ایک دو فی صد سے زیادہ نہ ہو۔ اس میں سے فلسفہ و حکمت کا ذوق رکھنے والے کتنے نکلیں گے؟

الحاد و تشکیک کا جو سیلاب بیسویں صدی کے آغاز میں آیا، اس وقت اس کا پتہ نہ تھا، اس لئے انگریزوں، دانوں، فلسفہ گویوں، معتزلہ کی تاویلات کے پیچیدوں اور الحاد و تشکیک کے ماروں کے لئے بھی ان کی تفسیر کی اشاعت نہیں ہو سکتی تھی جن کا وجود ہی محض ایک مفروضہ اور عقائد کی مثال تھی۔ بالفرض کوئی ایسا طبقہ موجود تھا جو کسی نئے علم کلام کا محتاج تھا تو پھر دیکھنا چاہئے کہ سرسید نے مذکورہ بالا عقائد کے اثبات میں کون سے عقائد پیش کئے ہیں؟ انہوں نے خود حشر و نشر، عذاب و ثواب، بہشت و دوزخ، فرشتہ و شیطان وغیرہ کے بیان جو مضحک، تمسخرانہ اور طنزیہ اسلوب اختیار کیا ہے اس کا رشتہ اثبات کے بجائے اعراض و انکار سے جاملتا۔ سرسید کے افکار کے مطالعے کے بعد اسلامی عقائد کی صحت میں شک اور یقین میں تذبذب تو پیدا ہو سکتا ہے۔ ان پر غیر متزلزل ایمان اور اعتقاد میں بختگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ جو تفسیر چھپی اس پر یہ کہاں لکھ گیا تھا کہ مسلمانوں کے فلاں طبقے کے لئے اس کا مطالعہ ممنوع ہے اور اگر لکھ بھی دیا جاتا تو یہ بات مطالعے کے لئے محرک تو بن سکتی تھی۔ رکاوٹ ہرگز ثابت نہ ہوتی۔ تفسیر اردو میں چھپی تھی۔ سرسید کے ذہن میں اس کا مخاطب کون ہو۔ مطالعے میں سب سے زیادہ "عام لوگوں" کے آگے لیکن کیا سرسید کے فکر کی پوری صداقت اور زائے کا کا خلاص تفسیر کی عدم اشاعت و ضرورت مطالعہ کے متعلق ان کے مذکورہ ملفوظات میں موجود ہے؟ اس بارے میں غور فرما لیجئے کہ آیا سرسید واقعی عام لوگوں میں اپنی تفسیر کی اشاعت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے یا معقول و ذی استعداد لوگوں میں اس کی ضرورت کے قائل نہ تھے؟

سرسید کا ایک بیان وہ ہے جو آپ زیر تالیف کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے اور ایک مطالعہ تفسیر عام لوگوں "دعوت" یہ ہے جس کے لئے تحریک پیدا کرنے کا مشورہ انہوں نے اپنے ایک عقیدت مند طالب علم یہ عقیدت مند فرسٹ ایر کا طالب علم نیاز علی تھا جو اپنے تئیں روایتاً مسلمان نہ کہتا تھا بلکہ اپنے علم و مطالعہ بنیاد پر اسلام کو سچا اور برحق دین سمجھ کر بچہ یقین رکھتا تھا۔ سرسید نے اس کے نام خط میں یہ مشورہ دیا تھا کہ تفسیر خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنے ہم ذوق لوگوں کو جمع کر کے انگریزوں کی طرح ایک کلب قائم کر۔ اور چندہ جمع کر کے تفسیر منگوالے اور تمام ممبران باری باری اس کا مطالعہ کر لیں۔ اور نیشنل کالج میگزین لاہور ش ۲۲ ص ۲۲۔ اب سرسید ہی کی اسی تحریر کے ہوتے ہوئے اس بات پر کیسے یقین کر لیا جائے کہ وہ عام مسلمانوں میں تفسیر کی اشاعت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور معقول اور ذی استعداد لوگوں کے لئے اس کے مطالعہ کی ضرورت کے قائل نہ تھے۔

سرسید کے عقائد صحیح تھے یا غلط؟ دیوبند، بریلی، اہل حدیث وغیرہ کسی مسلک کے عالم دین کی بات مانتے۔ اگرچہ دین کے معاملے میں بات انہی کی مانتی چاہئے۔ ان کے سب سے بڑے مخالف اہل اہل و العلی اور علی بخش فا

کی بات بھی نہ مانئے، ان کے معتقدین و مخلصین کے افکار پر نظر ڈال لیجئے، جنہیں نہ آج تک کسی نے قلعہ خودی ہائے نہ ان کے فکر و عمل پر ملائیت کی کبھی چھبستی کسی گئی۔ میرا اشارہ محسن الملک، حالی اور ڈپٹی نذیر احمد طرف ہے۔ محسن الملک کو سرسید سے باہم اخلاص و عقیدت بہت سے وسائل میں اختلاف کرنا پڑا اور ہمیں مسلمانوں میں ”چھپا پادری“ قرار دیا۔ حالی کو بھی سرسید سے تعلق و ارادت کے باوجود یہ اعتراف کرنا پڑا کہ سرسید نے تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اور بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں اور نذیر احمد نے تو ان کی متعدد خدمات کے اعتراف کے باوجود یہاں تک لکھ دیا کہ:

”جو معوان سید احمد خان نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کئے اور میرے نزدیک پرہیزی مرطعے اور چپکائے، قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کا ماننا مشکل۔ یہ معنی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا فرس منتقل ہوا، نہ جبریل حامل وحی کا، نہ رسول خدا کا، نہ قرآن کے کاتب و مدون ائمہ اصحاب کا، نہ تابعین کا، نہ تبع تابعین کا، نہ جمہور مسلمین کا۔“

سرسید کی تفسیر کے بارے میں ان کا مجموعی تاثر یہ تھا کہ

”سرسید کی تفسیر دیوان حافظ کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے چوتھوں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوف بنا دیا ہے۔“

کہتے ہیں درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور عمل کی کسوٹی اس کے نتائج میں۔ سرسید نے ایک درخت لگایا تھا تو اس میں پھل بھی ویسا ہی آیا جیسا کہ سنت الہی نے اس کے لئے مقرر کر دیا تھا اور عمل کا انہوں نے بس بیج بویا تھا پس ضروری تھا کہ اس سے برگ و بار بھی وہی پیدا ہوں جن کی صلاحیت قدرت الہی نے اس کی فطرت میں ودیعت کی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ آج ان حقائق اسلامی کے نامین سے محروم، ان کی صداقت میں تشکیک و تذبذب کا شکار قرآن کے بیان کردہ معنوں کی صحت میں مترد و حتیٰ مستعترض وہی لوگ ہیں جو سرسید کے افکار و سیرت سے متاثر ہیں اور جن لوگوں کے مفروضہ الحاد و تشکیک کے رفع کے لئے تفسیر لکھی گئی تھی وہی ان کی تفسیر کو پڑھ کر قرآنی صداقتوں کے اعتقاد سے سب سے زیادہ محروم ہو گئے۔ جس حکیم وقت نے تو الحاد و تشکیک اور تذبذب و تفسیق کے موجودہ طوفان کا منبع کانٹا، سہیگل اور مارکس کے فلسفوں سے بجائے سرسید کے افکار کی اشاعت کو قرار دیا ہے۔

سرسید کی خدمات کا سب سے بڑا کارنامہ تعلیمی میدان میں تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن سرسید نے تعلیم کا جو مقصد ارادیا تھا، وہ پورا ہوا؟ اور اس مقصد کے تحت علی گڑھ کی سرزمین میں جو پودا لگایا تھا اس کے پھل کے ذائقے اللہ وہ محفوظ و مہبط اندوز ہوئے تھے؟ اس سوال کے جواب کی ذمہ داری سرسید نے دوسروں کے لئے نہیں

چھوڑی۔ یہ بات ان کے اپنے بیان اور تحریر سے باہر نہیں۔ کہ وہ اس کے نتائج سے مایوس اور اس کے پھل کی تلخی سے بد مزہ ہو گئے تھے۔ کہاں سر سید کا یہ مقصد کہ ایک ہفتہ میں سائنس اور دوسرے ہفتہ میں قرآن ہو گا۔ اور کہاں ان کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں اسلامی عقائد پر عدم یقین، تذبذب اور تشکیک کا سیلاب عظیم؟ شاید بعض حضرات مدرسہ علی گڑھ کی طویل تاریخ میں چند مثالیں دینداری کی پیش کر کے اس کے پھل کی تلخی اور نتائج سے مایوسی کی بد مزگی کو دور کرنا چاہیں۔ اول تو کوئی ہوشمند صاحب مطالعہ اور دیندار ایسا کرے گا نہیں، بالفرض اگر کوئی ایسا کرتا بھی ہے تو مستثنیات سے ہم کب انکار کرتے ہیں۔ سعید و صاحب فطرت اور قلب سلیم گرو پیش کے اثرات سے بہت کم متاثر ہوتے ہیں۔ اور اگر انہیں اس ماحول میں کوئی روشن سیرت بھی نظر آجائے تو ماحول کے اثرات سے یقیناً محفوظ ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ علی گڑھ کے شعبہ اسلامیات میں شروع ہی سے کوئی نہ کوئی عالم حق اور صاحب سیرت رہا ہے۔ اور مدرسہ سر سید کے کچھ نہ کچھ طلبہ اپنے خاندانی پس منظر، ابتدائی تعلیم و تربیت، اپنی انفرادی سعادت، وقبول حق کی استعداد کی بنا پر ان علمائے حق اور اصحاب سیرت سے متاثر بھی ہوئے ہیں۔ اس لئے دینداری، نیکی اور شرافت کی کوئی مثال مل جاتی ہے تو یہ سر سید کے مکتب کی کرامت نہ تھی بلکہ اس کا سبب ان اساتذہ کی تعلیم و تربیت و صحبت میں تلاش کرنا چاہئے جن کا جوہر علم مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر تھا اور جن کی سیرتیں نبوی و علوی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انوار سے منور تھیں۔

میں نے یہاں تعلیم کے نتائج سے صرف سر سید کی مایوسی کا ذکر کیا ہے۔ حالی کے اعتراف شبلی کے استدلال، سلیمان ندوی کی تحقیق کو پیش نہیں کیا۔ ابوالکلام چونکہ خود اپنا ایک نظام فکر رکھتے تھے۔ اس لئے ان کا حوالہ تو کسی طرح دے ہی نہیں سکتا۔ لیکن ہمیں ان کی تعلیم و تربیت کے نتائج سے مایوس اور ان کا شکوہ سنیج نہیں ہونا چاہئے۔ کہ قعر دریا میں سائنس اور قرآن کی تختہ بندی کے عزم کا انہوں نے صرف ذکر کیا تھا۔ کالج کے قیام کا ”اصلی مقصد“، یہ نہیں تھا کہ نتائج کی جانچ کے لئے اسے کسوٹی بنایا جائے۔ کالج کے قیام سے سر سید کا مقصد لارڈ میکالے کے مقاصد تعلیم کی تکمیل تھا۔ میکالے نے کہا تھا کہ تعلیم کا مقصد ذہن و فکر کے لحاظ سے انگریز تیار کرنا ہونا چاہئے۔ خواہ مذہب کی رو سے وہ ہندو یا مسلمان کہلائیں۔ سر سید فرماتے ہیں:-

”اصلی مقصد اس کالج کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور بالخصوص اعلیٰ درجے کے مسلمان خاندانوں میں یورپین سائنسز اور لٹریچر کو رواج دے اور ایک ایسا فرقہ تیار کرے جو از روئے مذہب کے مسلمان اور از روئے خون اور رنگ کے ہندوستانی ہوں مگر باعتبار مذاق اور رائے و فہم کے انگریز ہوں۔“

سر سید اردو کے بڑے حامی اور بڑے ادیب تھے۔ زبان و ادب پر ان کے بہت احسانات ہیں۔ اردو کے ممتاز محققین میں سر سید کا مقام سب سے اونچا ہے اردو زبان و ادب کی کوئی تاریخ ان کے احسانات و تذکرے اور ان کی لڑائی کے اعتراف سے خالی نہیں۔ آئندہ بھی جو تاریخیں لکھی جائیں گی ان میں سر سید اور ان کے رفقاء کے لئے نشاندار باب ہو گا۔ اور ان کی خدمات اور ان کی ادبی عظمتوں کو خراج تحسین پیش کیا جائے گا۔ اس کے بغیر کوئی ادبی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔

سر سید کی زندگی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ انہوں نے ہندی کے مقابلے میں اردو کے تحفظ کی تحریک میں انتہائی جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ لیکن وہ سر سید ہی تھے جنہوں نے اردو میں سائنسی تراجم کی تحریک کو خود ختم کر دیا تھا۔ اور اورینٹل کالج لاہور کے قیام کی شدید مخالفت کی تھی۔ تحقیق طلب امر یہ ہے کہ سر سید نے اردو ہندی تنازع میں جن شدید جذبات کا مظاہرہ کیا تھا اور جو پرجوش مضامین تحریر کئے تھے کیا واقعی اردو کے عشق میں تھے؟ کیا وہ واقعی ان کے حقیقی و مخلصانہ جذبات تھے؟ کہیں یہ بھی انہوں نے کسی انگریز کے ایما پر تو نہیں لکھے تھے یا فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے لئے کئی دوسرے مضامین کی طرح یہ بھی کسی "مسٹر بیک" نے تو ان کے نام سے لکھ کر نہیں چھپوا دئے تھے؟

زمانہ سمانی اور وقت شناسی سر سید کو ان کے نانا سے وراثت سے ملی تھی۔ ان کے نانا نے سلطنت مغلیہ کی یہی خواہ کے پردے میں انگریزوں کی خدمات سر انجام دی تھیں۔ سر سید نے اپنے عہد میں ٹھیک ٹھیک وہی کردار مسلمانوں کی یہی خواہ کے نام پر ادا کیا۔ مغلیہ حکومت اپنے جس انجام کو پہنچی اس کے اسباب فلسفہ عمرانیات کے علماء کے نزدیک اندرونی تھے۔ علمائے سیاسیات اور مورخین نے اس کے خارجی اسباب میں انگریزوں کی ریشہ دوانیوں اور فریب کاریوں کو بتایا ہے۔ لیکن آج تک کسی مسلمان کو تو کیا کسی غیر مسلمان کو بھی یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہ ہوئی کہ قومی اور مغلیہ حکومت کو ختم کرنے اور انگریزوں کے اقتدار کو قائم کرنے اور مستحکم کرنے میں وہ انگریزوں کا برابر کا حصہ دار ہے۔ سر سید اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔ اور کہا کہ وہ ہمیں ہیں جنہوں نے انگلش حکومت اپنی بھلائی کے واسطے قائم کی۔ انہوں نے قوم کی جانب سے بھی صفائی پیش کر دی کہ یہ محض غلط ہے۔ کہ مسلمان انگلش حکومت کو ایک ناگواری سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کی بھی تردید کر دی کہ انگلش مینشن نے دہوکے یا فریب سے یہ ملک فتح کیا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ انگریزوں نے یہاں حکومت بہ زور حاصل کی ہے نہ کہ مکر و فریب سے۔ وہ اس ملک میں دوست کی حیثیت سے آئے ہیں نہ کہ بظور ایک دشمن کے۔ پھر انہوں نے اپنی اس نیک خواہش کا اظہار بھی کیا۔

”ہماری خواہش ہے کہ ہندوستان میں انگلش حکومت صرف ایک زمانہ دراز تک ہی نہیں بلکہ اٹرنل

(دائمی و ابدی) ہوئی چاہئے۔ ہماری یہ خواہش انگلش قوم کے لئے نہیں بلکہ اپنے ملک کے لئے ہے۔

کے مقام کا نام آغاز پور رکھا گیا^{۲۲}

اس کے بعد بایزید کی یہ تحریک مذہب کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی تحریک بھی بن گئی۔ جس نے صوبہ سرحد کے عوام کے جذبہ حریت کو جہاد میں بدل دیا جس کے بعد خوشحال خان خٹک جیسے ملی شاعر اور جزیہ آزادی کے علمبردار پیدا ہوئے۔ جوتاریخ میں اہم مقام رکھتے ہیں اور بایزید کی سیاسی تحریک اس کا اثر تھا کہ عہد برطانیہ میں عجب خان کی بہادری نے انگریزوں کی نیندیں حرام کر دیں^{۲۳} اور اس علاقے کے لوگوں کے جذبہ جس ایمانی اور حریت ہی کی بنا پر ”سکھ راج میں سید احمد شہید نے ہندوستان سے ہزاروں میل دور اس سرزمین کو اپنا مرکز بنایا اور وادی کاغان کے شہر بالا کوٹ میں اسلامی تحریک اُچار کے جدیدہ کا یہ تاجدار ہمیشہ کے لئے مدفون ہے^{۲۴} اور اسی تحریک کے سیاسی اثر کی بنا پر اس خطے کے لوگوں نے قیام پاکستان میں اپنا بھرپور کردار ادا کر کے قائد اعظم سے ان الفاظ میں خراج تحسین وصول کیا۔
”آپ کی وفاداری، اعانت اور بہادری کی وجہ سے ہم شمال مغربی سرحدوں کی دفاع سے بے فکر ہیں۔ ہمارا قیام پاکستان میں آپ کا کردار ہمیشہ کے لئے سنہری حروف سے لکھا جا چکا ہے مجھے آپ کی اسلام دوستی باور اور ملی اتحاد پر فخر ہے“^{۲۵}

ان تمام حقائق کے بعد یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل امر نہیں کہ دسویں صدی ہجری کی ان دونوں شخصیتوں (بایزید انصاری اور پیر بابا) نے اپنے اپنے انداز میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی اصلاح کی۔ پیر بابا نے انہیں خالص روحانی تعلیمات سے آشنا کیا اور بایزید کی تحریک روشنیہ نے ان کے لئے روحانی اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک ایسے معاشرے کے قیام کی تاگ و دو کی جو ان کے لئے اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد کرنے کا فضا مہیا کر سکے۔ اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب کہ انہیں سیاسی آزادی حاصل ہوتی اور سیاسی آزادی کا حصول کا یہی وہ جذبہ تھا جو دسویں صدی ہجری میں تحریک روشنیہ نے اس خطے کے لوگوں میں پیدا کیا جو آگے چل کر پاکستان کے حصول کا سبب بنا۔ اور اس طرح تحریک روشنیہ کی وہ کوششیں جو آج سے تقریباً پانچ سو سال قبل شروع کی گئی تھیں پاکستان کی صورت میں کامیاب ہوئیں جس کے تحریک روشنیہ کے باقی بایزید انصاری کو جتنا بھی خراج عقیدت پیش کیا جائے کم ہے۔

ماخذ

- ۱۔ عبدالرشید (مدیر) اور نیٹل کالج میگزین۔ لاہور پنجاب یونیورسٹی پریس فروری ۱۹۵۵ء ص ۵ (۲) ایضاً
- ۳۔ پیر بابا جن کا نام سید علی ترمذی تھا ۹۰۸ ہجری میں افغانستان میں پیدا ہوئے۔ حصول علم اور معرفت کی

ڈاکٹر عبدالرشید صاحب پی ایچ ڈی - جامعہ کراچی

تحریک روشنیہ اور قیام پاکستان ایک تحقیقی مطالعہ

تحریک روشنیہ اور اس کے بانی کے بارہ میں مختلف رائے پائی جاتی ہے۔ یہ ایک متنازعہ شخصیت رہی۔ ادارہ الحق کا پیش نظر مقالے سے اتفاق ضروری نہیں بحث و تحقیق سے کئی گوشے کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ اظہار خیال کی دعوت دی جاتی ہے۔ — ادارہ

دسویں صدی ہجری کا زمانہ تحریک اہلئے دین اور تحریک پاکستان میں بڑی اہمیت کا حامل ہے یہی وہ دور ہے جس میں اگر ایک طرف مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر دین الہی کا فتنہ برپا کر کے مسلمانوں کو ایک بڑے امتحان سے دوچار کرتا ہے اور اس دور کے صوفیا اور علماء حق اس کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ تو دوسری طرف سے دہلی سے سینکڑوں میل دور صوبہ سرحد کے صوفیائے کرام نے نہ صرف ان بد عقیدہ گیلوں کا اپنی زبان سے مقابلہ کیا بلکہ تحریک روشنیہ کے مجاہدین نے تلوار کے ذریعے شاہی فوج کے چھکے چھڑا دیے اور اس علاقے کے جیلے مسلمانوں کی بہادری کو جذبہ جہاد میں بدل دیا اور یہ اسی تحریک کی کوشش تھی جو آگے چل کر قیام پاکستان کا سبب بنی۔ لیکن مرکز سے دوری، دشوار گزار علاقوں کے سبب اور پشتو زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر ان حضرات کی خدمات کو تاریخ میں وہ مقام نہ دیا گیا جس کے یہ حقدار تھے۔ بالخصوص اس دور کی دو اہم شخصیتوں بایزید انصاری (پیر روشن) اور سید علی ترمذی (پیر بابا) کی خدمات کو یا تو یکسر نظر انداز کر دیا گیا یا پھر ان کے خلفاء کے باہمی جھگڑوں کو بیچ میں لا کر اس تحریک کو پس پردہ ڈال دیا گیا۔

زیر نظر مضمون میں بایزید انصاری کی تحریک پر روشنی ڈالتے ہوئے اور ان کے مخالفین کے عائد کردہ الزامات کا جواب دیتے ہوئے اس تحریک کی اہمیت کو واضح کیا جا رہا ہے۔

تعارف | بایزید انصاری جنہیں پیر روشن بھی کہا جاتا ہے تحریک روشنائی کے بانی تھے۔ آپ کا سلسلہ

ہماری یہ آرزو انگریزوں کی بھلائی یا ان کی خوشامد کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے ملک کی بھلائی اور بہتری کے لئے ہے۔

یہ بات ایسی بھٹی کہ مسلمان تو مسلمان، انگریز بھی چونک پڑے کہ سید صاحب کیا فرماتے ہیں۔ دل میں خوش ہوتے ہوں گے کہ ایسا مخلص اور وفادار وکیل انہیں اپنی قوم اور حکومت کا، اقلے حکومت میں کا ہے کوئے گا؟ یہ اسپچ جب اخبار میں سر ایفروڈ لیٹننٹ گورنر کی نظر سے گزری اور اس کے بعد سر سید سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا۔

”تم نے یہ عجیب سرح کی اسپچ دی تھی؟“

سر سید نے جواب دیا: ”شاید عجیب ہو مگر غلط نہیں تھی۔“

جو لوگ سر سید کو بانیان آزادی میں شمار کرتے ہیں انہیں سر سید کے ان بیانات و ملفوظات پر غور کرنا چاہئے اور اس پہلو پر بھی نظر ڈال لینی چاہئے کہ حقیقی بانیان آزادی اور سرسرفروشان قوم اور جہاں نشان وطن سلطان ٹیپو، سراج الدولہ اور بہادر شاہ ظفر وغیرہ کے بارے میں ان کے خیالات کیا تھے؟ اور اس کے برعکس غداران وطن جعفر و صادق وغیرہ کی سیرت اور عقل و فراست اور ان کی ملی ہی خواہی کو انہوں نے جو خراج تحسین پیش کیا ہے کس سے چھپا ہوا ہے؟ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہدین کو وہ کون سی گالی ہے جسے سن کر دلی کے شہر نازنگا میں بچی نہ کھریں۔ اور سر سید نے تحریر کردی ہو۔ انگریزوں کو استحکام بخشنے کے لئے انہوں نے تحریر و تقریر کی کس صلاحیت کو نہیں آزمایا؟ ”لال محمد نر“ ان کے نزدیک ملک و قوم کی علمی، تعلیمی، سماجی خدمات انجام دینے والے تھے، ۱۸۵۷ء میں اور بعد میں ملک و قوم کے جذبات کے خلاف انگریزوں کی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے والے ملک و قوم کے غدار تھے؟ ۱۸۹۸ء میں اپنی وفات تک علی گڑھ کالج کے طلبہ میں حریت پسندی کے جذبہ کو دبا دینے کی کوشش میں انہوں نے کون سی کسر اٹھا رکھی تھی؟ دنیا کے اسلامی ممالک خصوصاً ترکی اور منصب خلافت سے عقیدت اور رشتہ اخوت اسلامی کا احترام اور اس کے لئے ایشیائے ہند کی ہمیشہ سے ایک خصوصیت رہی ہے۔ سر سید نے اس تعلق کے ایک ایک رشتے کو منقطع کرنے اور صرف ہندوستان کی برٹش حکومت سے مسلمانوں کو اپنے رشتہ عبودیت استوار کرنے کے لئے عقل و منطق کے کس حربے کو نہیں آزمایا؟ ان عظیم الشان خدمات اور بلند خیالات کے بعد بھی سر سید کو بانیان آزادی میں شمار اور آزادی کی تاریخ میں سب سے اونچا مقام دیا جاسکتا ہے؟ جو حضرات سر سید کو نظریہ پاکستان کے بانیوں اور مجاہدین آزادی میں شمار کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ان کے متعدد ایسے اقدامات و بیانات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جن سے جغرافیائی بنیاد پر قوم کی تشکیل کے نظریے کی پرزور وکالت کی گئی ہے وہ نہیں سوچتے کہ سر سید کے مستقل افکار، ان کی پوری زندگی اور غلامانہ سیرت کو نظر انداز کر کے بعض جزوی وغیرہ متعلق اور غیر اہم واقعات سے استدلال کر کے تاریخ پر کتنا بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ نئی نسل پر جب مطالعہ و تحقیق کی راہیں کھلیں گی اور ان کے قلم کے فریب کا پردہ چاک ہو گا تو وہ ان کے متعلق کیا رائے قائم کرے گی؟

(باقی ملے)

تقاضی خان - لوگ کہتے ہیں کہ تمہارا بیان ہے کہ مجھ پر وحی کے ذریعہ کتاب نازل ہوئی ہے اور اس میں چالیس پارے ہیں۔

بایزید - مخالفین غلط کہتے ہیں۔ میں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہامی طریقہ پر میرے دل پر ایک کتاب نازل کی ہے جس کا نام خیر البیان ہے جس میں چالیس بیانات ہیں جس طرح کہ عبدالقادر جیلانیؒ پر الہامی طور پر غوثیہ نازل ہوئی۔ عام طور پر لوگ الہام اور وحی میں فرق نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے اسے وحی کہتے ہیں۔ اور میرے حاسدین حسد کی بنا پر یہ طعنہ دیتے ہیں کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اس گفتگو کے بعد بایزید نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

میرا طریقہ اولیسیہ ہے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے مجھے کچھ عنایت فرمایا ہے۔ مجھے علم لدنی سے بہرہ ور کیا اور قرآن کے معانی مجھ پر کھول دئے۔

تقاضی خان اس گفتگو کے بعد بایزید کو مرزا حکیم کے پاس لے کر گئے اور کہا اے مرزا حکیم یہ شخص مرد کامل اور

بہاؤ تک اس بات کا تعلق ہے کہ کیا پیر بابا اور ان کے خلیفہ اخوند درویش نے ذاتی بنا پر اس تحریک کی مخالفت کی ہے۔ اس سلسلے میں بڑے وثوق سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اخوند درویش اور بایزید کی باہمی مخالفت اس بنا پر نہ بایزید نے اخوند درویش کی شخصیت پر کوئی حرف گیری کی تھی یا اس کے اعتقاد سے کوئی تکلیف پہنچی تھی سوال کہ کیا یہ اختلافات مناسب تھے یا نہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے قبل مسئلہ وحدۃ الوجود اور مخالفین کے درمیان یہ اختلافات رہ چکے ہیں۔ اور جس طرح بایزید پہلی شخصیت نہ تھی کہ جس نے وجود کے مسئلہ پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی اسی طرح پیر بابا اور اخوند درویش کی مخالفت بھی کوئی نئی نہ تھی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ حضرات جو اس عقیدے سے متفق نہ تھے انہوں نے بھی تنقید سے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا ہے۔

مثلاً حضرت مجدد الف ثانی وحدۃ الوجود کے رد میں فرماتے ہیں۔

اثنیہا رصوفیہ کے نزدیک اللہ کے مظاہر ہیں اور یہ بات علماء کو بھی پسند ہے لیکن فرق یہ ہے کہ علماء اس سے پرہیز کرتے ہیں تاکہ حلول اتحاد کا وہم پیدا نہ ہو۔ صوفیہ اور علماء دونوں کے خیال میں شیار کا وجود نہیں ہے۔ صوفیہ اس وجود کو وہم کہتے ہیں کیونکہ زمانہ روح میں یہ حق تعالیٰ کے وجود کے بغیر اور کچھ جھٹکتے اور علماء وحدۃ الوجود کے لفظ سے اس لئے کتراتے ہیں تاکہ کوتاہ نظری کے اس پیمانے سے ثواب کے منکر نہ ہو جائیں۔ اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ابن عربی کے عقیدہ وحدت الوجود

نسب اکتیسویں واسطہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

بایزید جالندھر میں پیدا ہوئے (۵۳۱ھ) لیکن آپ کے والد نے ایک پیدائش کے بعد صوبہ سرحد کے علاقہ جنوبی وزیرستان کو ہجرت کی۔ بایزید نے یہیں پرورش پائی۔ اور تکمیل علم کے بعد لوگوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ آپ کی ان کوششوں نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرتے ہوئے اس خطے کے مسلمانوں پر اس کے اپنی ثقافتی مذہبی اور سیاسی اثرات چھوڑے۔

روشنیہ تحریک کی بڑھ چڑھ کر مخالفت پیر بابا اور ان کے خلیفہ اخوند درویش نے کی۔ اخوند درویش نے بایزید پر حسب ذیل الزامات عائد کئے۔

”بایزید کا عقیدہ باطن تھا۔ اپنی اتباع لوگوں کے لئے ضروری قرار دیتا تھا۔ نبوت کا مدعی تھا۔ اپنی کتاب خیر البیان کو الہامی کہتا کہ یہ خدا نے مجھ پر نازل کی ہے۔ اس کی کتابوں میں اکثر احادیث موضوع ہیں۔ اس نے جو گیوں سے عقیدہ تناسخ کا اثر قبول کیا۔ جس میں انسان اپنے اعمال کی بنا پر مختلف جسم بدلتا ہے۔ اور حیوان کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے۔ جتنے و نشتر کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ جو جسم حلال یا حرام میں بڑھے اگر ایک مرتبہ فنا ہو جائے تو دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اس کے مرید ہو جاتے وہ آخر کار نماز اور نیک اعمال چھوڑ کر لوٹ مار، بدکاری اور علماء کی مخالفت پر اتر آتے۔“

اخوند درویش نے بایزید پر جو الزامات عائد کئے ہیں اگر غیر جانب داری کے ساتھ ان کا جائزہ لیا جائے تو ان کی کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ ان میں سے اکثر الزامات کا جواب بایزید انصاری نے بذات خود اس وقت دیا جب مرزا حکیم حکمران کابل کے کہنے پر قاضی خان نے جو اس وقت کے جتید عالم اور صوفی تھے بایزید سے کچھ سوالات کئے ان دونوں حضرات کی گفتگو کچھ اس طرح ہوئی۔

قاضی خان۔ سنا گیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔

بایزید۔ غلط کہتے ہیں میں تو کہتا ہوں کہ مجھ پر الہام ہوتا ہے۔ اور میں غیب کی آواز سنتا ہوں۔

قاضی خان۔ تم دوسو سوہ و الہام اور آواز رحمانی اور شیطانی میں کس طرح فرق سمجھتے ہو؟

بایزید۔ میں الہام و دوسو سوہ اور ندائے رحمانی اور شیطانی میں حدیث اور مشائخ کے اقوال سے فرق معلوم کرتا ہوں۔ جو ندا اور الہام آیات قرآنی، احادیث اور اقوال مشائخ کے مطابق ہو اسے ندائے رحمانی اور الہام سمجھتا ہوں اور جو آیات قرآنی اور حدیث کے مطابق نہ ہو اسے شیطان مردود کی پناہ مانگتے ہوئے رد کر دیتا ہوں۔

کے عوام میں تزکیہ نفس، حسن اخلاق، بلندی سیرت و کردار، تفکر و تعقل اور حصول علم کے جذبات ابھارے اور اس طرح پورے معاشرے میں مذہبی لگن پیدا کی جس کا اثر آج بھی اس خطے میں موجود ہے اور یہاں کی اکثریت صحیح معنوں میں اسلامی اقدار کا نمونہ پیش کرتی ہے۔

ادبی اور ثقافتی اثرات | خراط التوحید - خیر البیان اور فخر الطالبن بایزید کی وہ تصانیف ہیں جن کی پیروی سے عوام اور خواص دونوں میں علمی اور ادبی صلاحیتیں پیدا ہوئیں۔ خاص کر خیر البیان جو پشتو کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ جو آج تک پوری ہنرمند پنہی ہے اور پشتو ادب کا سارا سلسلہ بھی اسی کتاب سے شروع ہوتا ہے۔ بلکہ خوشحال خان خٹک نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس دور کے دیگر علماء اور نقاد بایزید کی خیر البیان کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔

"اخوان درویش نے پیر وشن بایزید انصاری کی خیر البیان کو دیکھا لیکن اس کے مضمون کو نہ سمجھ سکے۔" بایزید کی ادبی حیثیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ خیر البیان میں وہ بیک وقت عربی، فارسی، ہندی اور پشتو کی عبارات کا استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح بایزید نے ان تصانیف سے عوام اور خواص دونوں میں علمی اور ادبی صلاحیتیں پیدا کیں تاکہ وہ پشتو زبان میں اپنا سرمایہ چھوڑ جائیں۔ اور یہ ایک مسلم بات ہے کہ جب ایسی قومیں اخلاقی اعتبار پر غور کرتی ہیں تو ضرور انہیں ثقافتی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ پشتو موسیقی کا ارتقاء بایزید اور ان کے پیروکاروں ہی کی وجہ سے ہوا۔ ان لوگوں نے پشتو موسیقی میں بنیادی تبدیلی کی۔ اور نئے سرے پر ایجاد کئے۔ "برصغیر پاک و ہند کے شمال مغربی علاقے کے لوگوں کو علم موسیقی کا خزانہ بایزید انصاری کے مرید حاجی محمد کے طفیل ملا۔"

سیاسی اثرات | اگرچہ روشنیہ تحریک ایک فاضل دینی تحریک تھی لیکن ایک واقعہ نے اس تحریک کو سیاسی نامہ پہنا دیا۔ اور پھر پوری ایک صدی تک ہندوستان کے حکمرانوں کو اس تحریک کے ختم کرنے میں اپنی پوری توانائی استعمال کرنی پڑی۔ اس واقعہ کا ذکر بایزید کی خودنوشت سوانح عمری میں اس طرح کیا گیا ہے۔

ایک قافلہ ہندوستان سے واپس کابل جا رہا تھا کہ راستے میں اس نے پڑاؤ کیا۔ جہاں بایزید کے انتہائی پیروکار رہتے تھے۔ قافلہ والوں کی حرکات و سکنات سے انہوں نے اندازہ کیا کہ یہ لوگ غلہ آخرت سے نکل غافل ہیں جس پر ان لوگوں نے قافلے والوں پر حملہ کر کے ان کا مال و متاع ضائع کر دیا۔ کابل کی حکومت نے ایسی کارروائی کی اور ان لوگوں کو قتل کر کے ان کے بال بچوں کو گرفتار کر کے کابل لے گئے۔ جس پر بایزید نے اپنی حکومت سے تحریری احتجاج کیا۔ کابل کی حکومت نے پشاور کے حاکم کی معرفت بایزید کی گرفتاری کا حکم دیا۔ بایزید کا محاصرہ کیا گیا لیکن بایزید معاشرہ توڑ کر تیراہ کی پہاڑیوں میں چلے گئے اور اس پہلے معرکے

کار دیکھا ہے لیکن علمی طریقہ سے انہند درویشہ کی طرح سخت کلامی اختیار نہیں کی اور انہند درویشہ کی اسی سخت کلامی سے بایزید کے معتقدین نے فائدہ اٹھایا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ پیر بابا اور ان کے ساتھیوں کی مخالفت مغل حکمرانوں کی ہمدردی میں تھی۔ جب ایسا نہیں تھا اس لئے کہ جب بایزید نے اکبر کو مذہبی شخصیت کی حیثیت سے اپنے افکار سے آگاہ کیا تو اکبر نے بایزید کو ہر ممکن تعاون کا نہ صرف یقین دلایا بلکہ نہایت واضح طور پر کہا کہ میں نے شیخ کی پیروی قبول کی اور جو خدمت وہ کہیں میں بجالانے کے لئے تیار ہوں اور پھر تحالف بایزید کے لئے بھیجواؤں اور اس کے خلیفہ کو بھی خلعت سے نوازا جائے۔

اگر پیر بابا اکبر کے اپنے نمائندے ہوتے تو اکبر بایزید کو مذہبی شخصیت کی حیثیت سے کیسے قبول کرتا۔ اکبر نے تو روشنیہ تحریک کی مخالفت اس وقت کی جب اسے اپنا سیاسی اقتدار گھٹتا ہوا نظر آیا۔ جہاں بایزید کی تحریک کا تعلق ہے تو اس خطے کے رہنے والوں پر اس کے مذہبی معاشرتی، ادبی، ثقافتی اور سیاسی اثرات مرتب ہوئے۔

مذہبی اور معاشرتی اثرات | بایزید نے اپنی تحریک خود اعتمادی اور روحانی تزکیہ کی بنیاد پر شروع کی انہوں نے محسوس کیا کہ ان کا اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی تعلیم دیں تاکہ لوگ اپنی روش چھوڑ کر صحیح راہ اختیار کریں۔ لوگوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور خاص دین کی اشاعت کے۔ سینہ سپر ہو گئے۔ اور یہ تعلیم دی کہ ظاہری عبادات کا کوئی اثر نہیں ہوتا جب تک کہ انسان بدنی ظہارت کا صفائی اور روحانی تزکیہ حاصل نہ کرے۔

بایزید کی اس تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے غلط روایات کو ترک کر دیا۔ حصول علم اور عبادت کے شوق میں لگن ہو گئے اور اس طرح پورا معاشرہ حصول خیر و فلاح کی طرف راغب ہو گیا۔ جس کا اثر انہند درویشہ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

جب میں بایزید کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا تو صبح کی نماز میں وہ آگے ہوا اور اس کے مریدوں نے اس کے نماز پڑھی۔ اسی طرح بایزید نے حکمرانوں کو اصلاح کی جانب راغب کیا۔ تاکہ ان کی اتباع میں عوام اپنی اصلاح کریں۔ چنانچہ بایزید نے مذہبی تبلیغ کا فریضہ اس انداز میں ادا کیا۔

اے حکمرانو! تمہارے دین اور ایمان کے سلسلہ میں میری عرض ہے کہ میری بات سنو اور وہ یہ شریعت پر ثابت قدم رہو اور دوسرے لوگوں کو بھی ثابت قدم رہنے کی تاکید کرو تاکہ وہ اخلاص کو اختیار کریں اور فرشتے نیکیوں کی کتاب میں ان کی بہت سی نیکیاں اور احسان لکھیں۔ دراصل بایزید نے دعوت میں بادشاہوں، امراء اور قومی سرداروں کو مخاطب کیا اور اپنے مذہبی افکار کے ذریعہ اس

تکمیل کے بعد صوبہ سرحد کی وادی سوات کے مقام پانچ کھلے میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور وہیں ۹۹۱ ہجری میں انتقال فرمایا۔ (۴) اخوند درویشہ کا نام عبدالرشید تھا آپ پیر بابا کے خلیفہ اور بڑے عالم و زاہد تھے۔ کئی کتب کے مصنف ہیں۔ آپ ۹۴۰ ہجری میں سوات میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔

۵۔ اخوند درویشہ تذکرۃ الابرار والاشرار، پشاور، مطبع محمدی ۱۹۲۰ء ص ۱۳۷ تا ۱۴۶

۶ تا ۱۲۔ قاسمی عبدالقدوس (مرتب) خیر البیان، انبایہ زید انصاری، پشاور، پشتو اکیڈمی ۱۹۶۷ء، ص ۷۸، ۷۹

۱۳۔ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات مجدد الف ثانی، امرتسر، مطبع اردو بازار، ۱۳۴۰ھ مکتوب ۲ جلد ۲

۱۴۔ پیر بابا کے والد سید قبر علی ہمایوں کے دربار میں ایک فوجی عہدے پر فائز تھے۔ اور پیر بابا بھی اکثر اپنے والد کے ہمراہ دربار میں آتے جاتے تھے جس بنا پر یہ کہا گیا کہ پیر بابا مغلوں کے طرفدار تھے لیکن پیر بابا کا عمل اس کی نفی کرتا ہے۔ بایزید انصاری کی کتاب تذکرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے کہ کس طرح آپ نے درباری زندگی کو خیر باد کہا اور والد سے الگ ہو کر حصول علم و معرفت کے لئے ہندوستان کا سفر کیا۔

۱۵۔ مخلص علی محمد (مرتب) حالنامہ انبایہ زید انصاری، پشاور، پشتو اکیڈمی لائبریری مائیکرو فلم و ٹائپ نسخہ

۱۶۔ اخوند درویشہ تذکرۃ الابرار والاشرار، محولہ بالا ص ۱۴۲

۱۷۔ عبد الباقی کور (مرتب) صراط التوحید، انبایہ زید انصاری، پشاور، ادارہ اشاعت سرحد ۱۹۵۲ء ص ۲۷

۱۸۔ قاسمی، عبدالقدوس (مرتب) خیر البیان، انبایہ زید انصاری، محولہ بالا ص ۱۳

۱۹۔ خٹک نوشحال خان، صوات نامہ، پشاور، پشتو اکیڈمی لائبریری، مخطوطہ ص ۱۸

۲۰۔ خیر البیان، محولہ بالا کے ص ۷۷ تا ۷۸ کی تحریروں میں اسی طرح کی گفتگو درج ہے۔

۲۱۔ مخلص علی محمد (مرتب) حالنامہ انبایہ زید انصاری، محولہ بالا ص ۳۵ - ۳۶ - ۲۲، ایضاً

۲۲۔ یوسفی اللہ بخش، سرحد اور جدوجہد آزادی، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۳۸۸ھ ص ۳۶

۲۳۔ ندوی، ابوالحسن علی سید، سیرت سید احمد شہید، لکھنؤ نامی پریس ۱۳۳۹ھ ص ۱۹۶

۲۴۔ جعفری، رئیس احمد (مرتب) خطبات قائد اعظم، قائد اعظم محمد علی جناح کا ۱۹۴۸ء میں پشاور کے مقام پر قبائلی جرگہ سے خطاب، جسے شعل ادب لاہور نے ۱۹۶۱ء میں شائع کیا +

مضمون نگار حضرات سے اتنا ہے کہ مضامین صاف اور خوشخط کاغذ کے ایک طرف روشنائی سے تحریر فرمائیں۔
شکریہ

نظام ہضم کی سہارو برداشت کی ایک حد ہے
اس پر زیادہ بار نہ ڈالئے۔
ہمیشہ سادہ اور زود ہضم غذا کھائیے
لیکن لذت کام و دہن اگر بد پرہیزی پر
مائل ہی کر دے تو اس کے اثرات کی اصلاح کارمینا سے کیجیے۔

کارمینا

بد ہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن،
تیزابیت وغیرہ کا اچھا علاج ہے

ہمدرد



کارمینا ہمدرد
لازمی ضرورت

Adarts

CAR-6/80

انجناب لفٹیننٹ کونل محمد اعظم اکوڑہ خٹک

اسلام کے ایک جلیل القدر جرنیل و سیاستدان فاتح مصر حضرت عمرو بن عاصؓ

پہلی صدی ہجری میں سلطنت اسلامیہ کی بنیادیں جن چار ستونوں پر اٹھانی گئیں۔ وہ ستون فاتح عراق و جزیرہ
خالد بن ولیدؓ، فاتح فلسطین و مصر عمرو بن عاصؓ، فاتح شام ابو عبیدہ بن جراحؓ، اور فاتح قادیسیہ و مدائن حضرت
سعد بن عاصؓ ہیں۔ گو خالد بن ولید اپنی بے مثل شجاعت اور جنگی مہارت کے باعث دنیا کے عظیم فاتح جرنیلوں
کی صف اول میں گنے جاتے ہیں۔ اور فتوحات عراق و جزیرہ معرکہ ہائے شام و یرموک اور سرکوبی فتنہ ہائے
مردین۔ ان کو دوسروں کے مقابلے میں ایک نمایاں مقام عطا کیا۔ مگر عمرو بن عاصؓ کے کارنامے جو اپنے
وقت کا بہترین فوجی جرنیل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم مدبر، عدل و رواداری کا پیکر، انتظامی قابلیت میں
یکتا اور اسلام کا خادم حقیقی تھا۔ کسی طرح خالد بن ولید سے کم نہیں۔ عجب اتفاق ہے کہ خالد بن ولید اور عمرو بن
عاصؓ جو ابتدائی ایام میں اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ ایک ہی دن مدینہ پہنچے۔ ایک ہی وقت میں ایمان
لائے۔ اور اسلام کے پھیلانے میں وہ گام ہائے نمایاں انجام دتے جو کسی اور کو کم نصیب ہوئے۔

تاریخ شاہد ہے کہ یہ دونوں سپہ سالار تمام اسلامی جنگوں میں بلا استثنا کامیاب رہے۔ ہر معرکہ میں فتح
حاصل کی۔ اور کہیں سے ناکام نہیں لوٹے۔ دونوں حملہ میں بے باک۔ ذاتی شجاعت میں فرزانگی کی حد تک نڈر اور کم تعداد
کے ساتھ بڑے بڑے معرکہ سر کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ عمرو بن عاصؓ اس لحاظ سے منفرد مقام رکھتے
ہیں کہ جنگی قابلیت کے ساتھ ساتھ قدرت نے ان کو سیاسی بصیرت کے بیش بہا خزانے سے نوازا تھا۔ اور
انتظامی مسائل حل کرنے کی بے پناہ صلاحیتیں ان میں موجود تھیں۔ تدبیر و انتظام کی یہ صفات دیکھ کر ہی رسول
لہم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عمان بھیجا۔ اور پھر وہاں کا والی مقرر فرمایا۔

حضرت ابو بکرؓ نے بھی آپ کو دوسروں پر ترجیح دی اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے جن کی مردم شناسی
غریب المثل تھی۔ عمرو بن عاصؓ کو ہمیشہ معتد خاص کا درجہ دیا اور اہم مہات ان ہی کے سپرد کیں۔ عمان میں
بیلغ اسلام اور مصر میں رعایا کے ساتھ حسن سلوک نے ان کو اس قدر ہر و لعزیز بنا دیا تھا کہ اہل مصر ان کو

اپنا مربی اور سرپرست سمجھتے تھے۔ مصر میں انہی کے زیر اثر لاکھوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اور گھر گھر اسلام کی اشاعت ہوئی۔

عمر بن عاص قریش کے قبیلہ بنی سہم سے تعلق رکھتے تھے جو قبائل قریش میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ اہل عرب کے بڑے بڑے تنازعات کا فیصلہ اکثر رؤسا بنی سہم ہی کیا کرتے تھے۔ یہ قبیلہ اسلام کے سخت مخالفین میں سے تھا اور عمر بن عاص کے والد عاص بن وائل جو بنی سہم کے نامور سردار تھے ان حضرت اور صحابہ کرام سے دشمنی اور ایذا رسانی میں ہمیشہ پیش پیش رہے تھے۔ (بنی کریم کے دونوں بیٹوں کی وفات کے بعد حضور کو ابتر کہنے والے عاص بن وائل ہی تھے جس پر سورہ کوثر نازل ہوئی)

عمر بن عاص کی پیدائش اور تربیت مکہ میں ہوئی۔ آپ نے پیشہ تجارت کے ساتھ ساتھ سپہ گری اور شہسواری کا فن بھی سیکھا۔ جو شرفائے عرب کے لئے سب سے بڑا جوہر سمجھا جاتا تھا۔ عمر بن عاص ان حضرت سے عمر میں چھ سال چھوٹے تھے۔ اور سلمہ نابغہ جو قبیلہ بنی عذرہ سے تھیں بطن سے پیدا ہوئے۔ عاص بن وائل کی دوسری بیوی ام حرمہ حضرت عمرؓ کی خالہ تھیں۔ عمر بن عاص نے حجاز کے مروجہ دستور کے مطابق باقاعدہ تعلیم نہ کہیں حاصل نہ کی مگر جوانی میں اپنی تجارتی ضروریات کے پیش نظر کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ چونکہ ان کا قبیلہ دوسرے قریش قبائل کی نسبت شعر و ادب کا ذوق زیادہ رکھتا تھا۔ اس لئے اس ذوق کی جھلک آپ کے ان خطوط میں ملتی ہے، جو آپ نے وقتاً فوقتاً حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو لکھے۔

عمر بن عاص عمدہ شعری ذوق رکھتے تھے۔ اور خود بھی کبھی کبھی شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ آپ کے حسن ظرافت کا اندازہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ایک مکالمے سے ہو سکتا ہے۔ جن سے ان کا اختلاف ان کی نرم پالیسی اور بنی امیہ کی طرف سے بڑے بڑے عہدوں پر کنٹرول اور انتظامی امور میں مداخلت کی وجہ سے ان کی علیحدگی کا سبب بنا تھا۔ آپ جب مصر کے والی کا عہدہ حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کے حوالے کر کے مدینہ واپس لوٹے تو خلیفہ وقت سے ملاقات کے وقت آپ ایک رونی بھرا لبادہ پہنے ہوئے تھے۔ تلخی گفتگو کو مٹانے اور موضوع کو بدلنے کے لئے حضرت عثمانؓ نے لبادہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ اس میں کیا بھرا ہوا ہے۔ تو عمر بن عاص کا مختصر جواب تھا "عمر بن عاص"۔

خالد بن ولیدؓ اور عمر بن عاصؓ کے اسلام لانے سے ان حضرت بہت خوش ہوئے تھے اور اس کے جنگی مہموں میں دوسرے صحابہ کی نسبت زیادہ کام انہی سے لیا۔ پہلا کام جس کے لئے ان حضرت نے عمر بن عاص کو چنا وہ قبیلہ بنی قضاہ کی سرکوبی تھی۔ جو مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آپ نے تین سو افراد پر مشتمل ایک جماعت ان کے ہمراہ بھیجی۔ منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی عمر بن عاصؓ کو اپنی قلیل تعداد کا احساس ہوا اور مزید مدد مانگی۔

ہو گیا۔ فوراً دو صد ہزار اور انصار کا ایک دستہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ کمان روانہ کیا اور ساتھ ہی نصیحت
دادی کہ عمرو بن عاص سے اختلافی مسائل میں الجھنے سے احتراز کرنا۔ جب یہ جماعت پہلے دستہ میں شامل ہوئی
ابو عبیدہؓ نے ان کو سنبھالنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر عمرو بن عاص نے اس مہم کی ذمہ داری ابو عبیدہ کے حوالے
کے۔ انہوں نے دیا۔ آپ کا موقف یہ تھا کہ ابو عبیدہ کی جماعت ان کی ملک کے طور پر آئی تھی لہذا وہ بھی
چکے تالیخ تھی۔ علامات بگڑنے سے پہلے ابو عبیدہ کو ان حضرت کی نصیحت یاد آگئی اور اطاعت اختیار کر لی۔
فتح نامہ بھاری (تعداد اور راسخہ سے لیں ہو کر آئے تھے مگر بری طرح شکست کھا کر مہارگے۔ مسلمانوں نے
جنگ تعاقب کرنا چاہا۔ مگر عمرو بن عاص نے روک دیا۔ سروری کا موسم تھا لوگوں کی خواہش تھی کہ آگ جلا کر
سری جائے لیکن امیر لشکر نے اس کی بھی سختی سے ممانعت کر دی۔

لشکر میں جو دھماکہ کو یہ دونوں باتیں ناگوار گذریں اور واپسی پر ان حضرت سے شکایت کی۔ آپ نے
رو بن عاص کو طلب فرما کر باز پرس کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ دونوں احکام اپنی تعداد چھپانے اور شب خون
اندازہ کرنے کے لئے انہوں نے سوچ بچار کے بعد دئے تھے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں وجوہات
مذکورہ پیش اور عمرو بن عاصؓ کی جنگی بصیرت کی تعریف کی۔

دوسری بڑی مہم جو آنحضرتؐ نے عمرو بن عاصؓ کو اپنی زندگی میں سوئس وہ ملک یمن میں عمان کی جو کسی
بہت کے حکمران کو قبول اسلام کی دعوت دینا تھا۔ کچھ رد و کد کے بعد عمان کے رئیس ایمان لے آئے۔ لہذا
ان کی تقسیم اور دوسرے انتظامی امور عمرو بن عاصؓ کے سپرد کر دئے جن کی فہم و فراست سے وہ بہت متاثر
ہوئے تھے۔ آپ یہاں دو سال رہے اور بطور والی اپنے فرائض بخوبی انجام دیتے رہے۔ اس علاقے کے اکثر
شاہدے آپؐ جو کے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔ آنحضرتؐ کی وفات کی خبر آپ کو عمان میں ملی۔

حضرت عمرؓ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لاتعداد فتنے پیدا ہو گئے۔ اور قبائل عرب میں مرتدین کا
کچھ پھیل گیا۔ جس کا فوری خاتمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام کی بقا کے لئے ضروری سمجھا۔ خلیفہ وقت نے
ایک چارہ کے لئے فوج کو گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے ایسے امیر مقرر کئے۔ جو ان مقامات کو سر کرنے کی قابلیت رکھتے
تھے۔ اس میں عمرو بن عاصؓ کو عمان سے واپس طلب کیا گیا۔ اور بنی قضاہ کی مہم ان کے سپرد کی گئی۔ یہ وہی قبیلہ تھا
جس کو عمرو بن عاصؓ شکست دے چکے تھے۔ اور لوگ اب تک ان کے نام سے خائف تھے۔ آپ اسی پر اسے
ساتھ لے گئے اور بنی قضاہ کو شکست دے کر اسلام پر قائم کیا۔ اور مکمل فتح و کامرانی کے بعد واپس لوٹے
اور شہر رقیہ کے فرو ہوئے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کو دوبارہ والی مقرر کر کے عمان بھیج دیا۔ مگر جلد
ان کو خلیفہ کا ایک مراسلہ موصول ہوا جس میں تحریر تھا۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تم کو سر یہ بنی قضاہ کا امیر بنایا تھا۔ پھر عمان کا والی مقرر کیا۔ اسی لحاظ سے میں نے بھی بنی قضاہ کی مہم دوبارہ تمہارے سپرد کی اور اس کے بعد عمان واپس کیا۔ مگر اب چاہتا ہوں کہ اگر تم پسند کرو تو ایک ایسا کام تمہارے سپرد کروں جو موجودہ کام سے دین و دنیا دونوں میں زیادہ مفید ہو۔“

عمر بن عاص کا جواب مختصر مگر صاف تھا۔ انہوں نے لکھا:-

”میں اسلام کے ترکش کا ایک تیر ہوں اور آپ تیر انداز۔ جس پہلو سے کوئی خطرہ نظر آئے اس طرف بے تکلف تیر کو چلائیے؟“

مملکت اسلامیہ کو نیا خطرہ شامیوں کی طرف سے تھا جو حضرت اسامہؓ کے ہاتھوں اپنی تباہی کا انتقام لینے شامیوں کی مدد کے لئے قیصر روم ہرقل خود ایک جہاز لشکر لے کر عرب اور فلسطین کی سرحد تک پہنچا تھا وہ دونوں پوری طاقت سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس خطرے کا سدباب کرنے کے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قبائل عرب کے ۳۶ ہزار مجاہدین کو جمع کر کے چار حصوں میں ترتیب دیا۔ اور شام کے چار صوبوں کی طرف روانہ کیا۔ فتح فلسطین کی ذمہ داری عمرو بن عاص کو سونپی گئی۔ جب کہ حمص، دمشق اور اردن ابابو عبیدہ بن جراحؓ، یزید بن ابی سفیانؓ اور شرہبیل بن حسہؓ کے حصے میں آئے۔

عمر بن عاص کو رخصت کرتے وقت خلیفہ رسولؓ نے نصیحت کی۔

”تم ایلیا کی راہ سے جاؤ۔ اور فلسطین پہنچنے کے بعد ابوعبیدہ سے رابطہ قائم رکھنا اور اہم امور میں اس سے مشورہ لینا۔ وہ جس وقت امداد کے طالب ہوں ان کی مدد کرنا۔ اور ظاہر اور باطن میں اللہ سے ڈرتے رہنا کہ وہ سب پوشیدہ باتیں جانتا ہے۔ دیکھو میں نے تم کو ان لوگوں پر بھی ترجیح دی ہے جو حرمت اور اسلامی سبقت میں تم سے مقدم ہیں۔ لہذا تمہیں چاہئے کہ تمہاری کوششیں آخرت کے لئے ہوں اور جہاد سے سوائے رضائے الہی کے اور کچھ مقصود نہ ہو۔ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے اس میں مطلق شکستی نہ کرنا اور کاہلی کو دخل نہ دینا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کہنے لگو کہ ابوبکرؓ نے مجھ کو ایسے دشمن کے مقابلہ میں بھیج دیا جس سے لڑنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ مہاجرین اور انصار ہیں جن میں اہل بدر بھی ہیں۔ ان کے حق حرمت کا خیال رکھنا۔ امارت کی وجہ سے ان پر فوقیت نہ جتنا نا۔ اور یہ کہ شیطانی غوث دل میں نہ لانا۔ کہ ابوبکرؓ نے مجھ کو ان کا امیر اس لئے بنایا ہے کہ میں ان سے بہتر ہوں۔ نفس کے فریب میں نہ آنا۔ ان کے ساتھ مل جل کر رہنا اور معاملات میں ان سے مشورہ لینا۔ نماز میں ہرگز تساہل نہ ہونے پائے۔ جب وقت آجائے تو اذان

دلو کر جماعت کے ساتھ پڑھنا۔ دشمن کی طرف سے غفلت نہ کرنا۔ ان کے حالات سے خبردار رہنا۔ سپاہیوں کو پاسداری کے لئے متعین رکھنا۔ راتوں کو اصحاب کے ساتھ بیٹھنا اور ان کے خیالات کو دیکھنا۔ معرکہ میں خوفِ خدا کو پیش نظر رکھنا۔ فوج کو اگر نصیحت کرنا تو مختصر۔ اور پہلے خود اس پر عامل ہو جانا۔ اس سے ان کی اصلاح ہوگی۔ دشمن سے مقابلہ میں صبر و ثبات سے کام لینا اور قدم ہرگز پیچھے نہ ہٹانا۔ سپاہیوں کو قرآن کی تلاوت کا پابند بنانا۔ دنیاوی خرافات سے کنارہ کش رہنا کہ ان ائمہ میں تمہارا شمار ہو جن کی مدح قرآن میں ہے۔

ان نصائح کے بعد فرمایا کہ جاؤ خیر و برکت اور رحمتِ خداوندی تمہارے ساتھ ہو۔ عمرو بن عاصؓ نو ہزار کا لشکر لے کر فلسطین روانہ ہوئے۔ قیصر کو جب اسلامی فوجوں کی آمد کی خبریں پیش تو اس نے اس جنگی حکمتِ عملی کو سامنے رکھا کہ ہر اسلامی لشکر کے مقابلے میں کثیر التعداد رومی افواج بھی جائیں۔ ان سے علیحدہ علیحدہ جنگ کی جائے اور انہیں کسی مقام پر اکٹھا نہ ہونے دیا جائے۔ فلسطین میں عمرو بن عاص کا مقابلہ کرنے کے لئے قیصر کا حقیقی بھائی تدارک تقریباً نوے ہزار کی جمعیت کے مقابلہ کو آیا۔ شروع شروع میں رومی فوج کی کثیر تعداد کا سن کر مسلمانوں نے خطر محسوس کیا۔ مگر بعد کی لمحوں نے اس خطرے کا وجود معدوم کر دیا۔ فلسطین کے پہلے معرکے میں پہلے روز عمرو بن عاصؓ نے ایک جانب سے ایک ہزار سواروں کے ساتھ عبداللہ بن عمرؓ خطاب کو بھیجا۔ اور اتنی ہی تعداد ساتھ لے کر دوسری جانب سے خود حملہ آور ہوئے اور صفیں چیرتے ہوئے لشکر کے قلب میں رومی سردار تک جا پہنچے اور ایسا دار کیا کہ وہ پھر ٹھوسکا۔ یہ عالم دیکھ کر رومی لشکر بھاگ اٹھا۔ اور مسلمان جو مقہور بہت خوف اپنی قلیل تعداد کی وجہ سے دیوں پہنچے ہوئے تھے ان کی ہمتیں بڑھ گئیں۔

دوسرے روز کے معرکے میں رومی عظیم الشان لشکر لے کر صف آرا ہوئے۔ مگر مسلمان سپاہی جو جذبہ جہاد سے پرشور اور ثوابِ آخرت کے فضائل اپنے سپہ سالار کی نہ بانی سن کر آئے تھے۔ قرآن کی آیتیں پڑھتے ہوئے اسے جگری رومیوں پر حملہ آور ہوئے کہ غنیمتِ حملہ کی تاب نہ لا کر کثیر تعداد کے باوجود میدان چھوڑ گیا۔ مسلمانوں نے قنابق کیا بہت سا ساز و سامان انہیں مال غنیمت میں ملا۔

رومیوں کی حکمتِ عملی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ تھی کہ چاروں اسلامی لشکر جن کو علیحدہ علیحدہ ذمہ داری دی گئی تھی اور جو تعداد میں بھی کم تھے انہیں اکٹھے نہ ہونے دیا جائے۔ انہیں باری باری شکست دی جائے۔ اور اس طرح ان اسلامی فوجوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اسی حکمتِ عملی کو مد نظر رکھ کر رومی اسلامی فوجوں کو مقامی جنگوں میں

ابجھائے رکھنا چاہتے تھے۔

عمرو بن عاص جو جنوب میں رومی فوجوں سے برسرِ پیکار تھے اور کم تعداد کی وجہ سے خطرے سے تھے۔ اس خطرے کو قبل از وقت سمجھنا پڑا تھا۔ آپ نے ابو عبیدہ کو لکھا کہ بہتر ہو گا اگر ہم سب ایک مقام پر ہو جائیں اور رومیوں کی کثیر تعداد کا مقابلہ مل کر کریں۔ عمرو بن عاص کی اس صائب رائے کو سب امرا نے پسند کیا اس کی اطلاع خلیفہ کو مدینہ میں دے دی گئی۔

حضرت ابو بکرؓ نے شام میں اسلامی فوجوں کی تعداد اور رومیوں کی تیاریوں کے پیش نظر خالد بن ولید کو عراق۔ شام پہنچنے اور ابو عبیدہؓ کو مدد کرنے کا حکم دیا۔ شام میں تمام اسلامی فوجوں کی قیادت ابو عبیدہؓ کے سپرد تھی۔ مگر خالدؓ کی آمد پر جنگی حکمت عملی طے کرنے کا اختیار کل انہوں نے سیدت کو سونپ دیا۔ شام پہنچنے کے بعد خالدؓ نے حائلہ کے کسبہ ایلات جاری کیں کہ تمام لشکر جنوب میں اخیادین کے مقام پر جمع ہوں۔

عمرو بن عاص نے اخیادین پر اجتماع کی خبر سن کر اخیادین کے جنوب میں جواں سے نزدیک تحفہ دفاعی پوزیشن کر لی۔ اور اپنے لشکر کے تین چھوٹے دستے مغرب۔ رملہ اور بیت المقدس کے رستوں پر رومی لشکر کو روکنے کے لئے دئے تاکہ اخیادین پر اجتماع نہیں پہلے اسلامی لشکر جو طویل فاصلے طے کر کے آ رہے تھے جن گاہ پر پہنچنے سے پہلے ہیں نہ ابھج جائیں۔ خالد بن ولیدؓ اسلامی فوجوں کی امداد کے لئے ایک لشکر جس کی تعداد بعض مورخین نے ہزار بتائی ساتھ لے کر آئے تھے اور حیرہ سے بارہ سو میل کا سفر کرتے ہوئے اخیادین کی سمت پیش قدمی کے لئے ایک ایسے کو اختیار کیا تھا جو پانی کی قلت اور دشوار گزار می کے سبب کسی فوجی لشکر کی گزر گاہ کے طور قطع ناممکن اور پر سفر رومی جرنیلوں کے نزدیک غیر ممکن تھا۔

اخیادین کے میدان میں مسلمان فوجوں کے بروقت اجتماع اور بے پناہ جذبہ جہاد نے ٹوٹے ہزار کے عظیم لشکر کو تھس تھس کسے رکھ دیا۔ اور رومیوں کے وقار کو خاک میں ملا دیا۔ اخیادین کے بعدیر موک میں بھی اسلامی نے اپنے سے کئی گنا بڑی رومی فوج کو ایسی مکمل اور فیصلہ کن شکست دی جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے اوریر موک کی جنگوں میں خالد بن ولیدؓ کے ساتھ ابو عبیدہؓ بن جراح۔ خضر بن حسیہ۔ یزید بن ابوسیفیانؓ اور عمرؓ جیسے تجربہ کار اور جری سپہ سالار موجود تھے۔ جن کی جنگی صلاحیتیں مسلم اور فن سپہ گری ہیں ان کا مقام کسی تو محتاج نہ تھا۔

قیام فلسطین کے دوران عمرو بن عاصؓ اپنے مشن کے مطابق رومی فوجوں سے برسرِ پیکار رہے۔ اور فلسطین شہر تونابلس۔ عمواس۔ یافا۔ عسقلان۔ رملہ۔ عکا۔ لڑ۔ جبکہ بیت۔ جبرین وغیرہ فتح کئے۔ جب ان کی جنگی مصروفیت میں کم ہو جاتیں تو وہ اپنی فوجوں کا کچھ حصہ پیچھے چھوڑ کر ابو عبیدہؓ سے جاملتے۔ اور شام کی دوسری فتوحات میں ان

کیا کرتے۔ فلسطین میں صرف بیت المقدس ہی ایسا شہر رہ گیا تھا جو رومیوں کے قبضہ میں تھا۔ اور اس پر اسلامی فوجیں اس وقت تک تسلط حاصل نہ کر سکی تھیں۔ بیت المقدس پر رومی فوجوں کے اجتماع کا یہ عالم تھا۔ کہ فلسطین اور شام کے علاقوں سے تمام فوجیں اس شہر میں اکٹری جمع ہو رہی تھیں۔ وہ تعداد اور سامان حرب کے بل بوتے پر اس کو ناقابل تسخیر بنانا چاہتے تھے۔

بیت المقدس کا محاصرہ سب سے پہلے عمرو بن عاصؓ نے کیا۔ اس محاصرے میں ابو عبیدہؓ، خالد بن ولیدؓ اور یزید بن ابوسفیانؓ بھی بعد میں آکر اپنے لشکروں سمیت شامل ہو گئے۔ یہ محاصرہ تقریباً چار ماہ تک جاری رہا۔ اور رومی فوجیں قلعہ بند ہو کر ایک عرصہ تک لڑتی رہیں۔ فوجی امداد کے راستے مسدود ہونے اور سامان رسد کے ہر طرف سے منقطع ہونے کی وجہ سے محصورین کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ لہذا مکمل تباہی سے بچنے کے لئے وہ امن کے طالب ہوئے اور شرط رکھی کہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ مدینہ سے خود آکر صلح کی شرائط طے کریں اور معاہدہ امن پر دستخط کریں۔ اس امر کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی گئی جو ایک طویل مسافت کے بعد بیت المقدس پہنچے۔ خلیفہ وقت کا یہ سفر اور بیت المقدس میں کسی شان و شوکت کے بغیر ان کی آداپنی سادگی، انکساری اور اسلامی مساوات کی ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

فتح بیت المقدس کے بعد حضرت عمرؓ کے شام کے دوسرے سفر کے دوران عمرو بن عاصؓ خلیفہ وقت سے تنہائی میں ملے اور مصر پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ شروع میں حضرت عمرؓ نے دور دراز سفر، طاعون، عوامس کے باعث مسلمان لشکریوں کی اموات اور دوسرے مصائب و آلام کے پیش نظر پس و پیش کیا۔ مگر عمرو بن عاصؓ کے عزم و یاسخ اور مسلسل اصرار کو دیکھ کر اس مہم کی اجازت دے دی۔

فتح مصر کی مہم کا آغاز عمرو بن عاصؓ نے صرف چار ہزار عابدین پر مشتمل ایک ایسے نیم مسلح لشکر کے ساتھ کیا۔ جو اپنے وطن سے تقریباً دو ہزار میل دور۔ سامان حرب کی کمی اور رسد کے لئے مقامی ذرائع پر انحصار کے باوجود شکست کے نام سے نا آشنا نہ تھا۔ اس کے برعکس رومی فوجوں سے جب بھی ان کا مقابلہ ہوا غنیمت کی متعدد سہمشہ چار پانچ گنا سے زیادہ۔ ہتھیار بہتر۔ سامان رسد وافر اور لاکھ پہنچانے کے لئے بہترین بحری جنگی بیڑہ ان کی پشت پر موجود رہا۔ مگر اس کے باوجود وہ اسلامی فوجوں سے کہیں بھی جم کر مقابلہ نہ کر سکے۔ اور ان کے طوفانی حملوں کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ نکلے۔

حضرت عمرؓ سے اجازت طلب کرتے وقت عمرو بن عاصؓ نے اس حقیقت کو محسوس کر لیا تھا کہ رومی فوجیں جو شام اور فلسطین میں مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد مصر میں جمع ہو رہی تھیں۔ اگر بروقت ان کا قلع قمع نہ کیا گیا تو اسلامی مقبوضات کے لئے وہ ایک بہت بڑے خطرے پر پیش خم بن سکتی تھیں۔ پیشتر اس کے کہ رومی فوجیں

کی شکست کے زخم مندمل ہوتے اور مسلمانوں کے دوبارہ مقابلے کے لئے وہ اپنے آپ کو منظم کرتے عمرو بن عاص ان کو سرزمین مصر سے بھی باہر نکال دینا چاہتے تھے۔ عمرو بن عاص کے مختصر اسلامی لشکر نے مصر کا وہ راستہ اختیار کیا جس پر ہزاروں سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام جیسی برگزیدہ ہستیوں نے سفر کیا تھا۔ یہ فوج دریائے سینا سے ہوتی ہوئی ۱۰ ذی الحجہ ۱۸ ہجری کو العریش پہنچی۔ اور اس کو بغیر کسی دقت کے فتح کر لیا۔ العریش سے نکل کر اسلامی لشکر فرما پہنچا۔ جو دریائے نیل کے کنارے آباد ایک پرانا اور بڑا شہر تھا۔ اور مصر کا دروازہ سمجھا جاتا تھا۔ فوجی نقطہ نظر سے اس اہم شہر کی حفاظت رومی فوجوں کے سپرد تھی۔ یہاں کا محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک رہا اور آخر کار ۱۵ محرم ۱۹ھ کو عمرو بن عاص فاتح کی حیثیت سے اس شہر میں داخل ہو گئے۔ فرما کے بعد یس اور ام دینار اسلامی فوجوں کے محاصرے میں آئے۔ اور ان کو بھی فتح کر لیا گیا۔ چار ہزار کی اس مختصر جمعیت نے پانچ ماہ کے عرصے کے اندر متعدد

شہر اور دریائے نیل کے ساتھ ساتھ ۲۵۰ میل کا علاقہ فتح کر لیا۔ جب کہ اس علاقے میں رومی فوجوں کی تعداد اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ام دینار کے معرکے میں مسلمانوں کا جانی نقصان گورومیوں سے بہت کم تھا مگر قلت تعداد کی وجہ سے یہ نقصان زیادہ محسوس ہوتا تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے اور رومیوں پر جلد از جلد مکمل فتح حاصل کرنے کے لئے عمرو بن عاص دوبارہ خلافت سے ملک کے طالب ہوئے۔ مدینہ سے امداد آنے تک اسلامی سپہ سالار اپنی فوج کو محاصرہ رکھنے کے لئے نیل کے مغربی کنارے لے گئے۔ اور منف پر قبضہ کر کے قیوم کی طرف بڑھے اور اس کو محاصرے میں لے لیا۔ یہ محاصرہ مدینہ سے کماتے تک جاری رہا۔ جو بعد میں اٹھایا گیا تاکہ بابلون کے نہایت اہم شہر کو جلد فتح کر لیا جائے۔ یہ شہر شمالی اور جنوبی علاقہ کے درمیان ایک اہم مواصلاتی اور تجارتی مرکز تھا۔ اور تقریباً ۲۰ ہزار رومی فوج اس کی حفاظت پر تعینات تھی۔ اس کے گرد و دور تک فوجی چوکیاں تھیں۔ جن میں رومی دستے مستقل موجود رہتے تھے۔ (رومیوں کے زمانہ میں یہ شہر موجودہ قاہرہ کے قرب و جوار میں واقع تھا آج کل اس شہر کا نام و نشان تک موجود نہیں) ملک کا دستہ دوبارہ ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کی زیر قیادت ہیلوپولس کے مقام پر حضرت عمرو بن عاص کے لشکر سے آ ملا اور پھر دونوں لشکر متحد ہو کر بابلون کی طرف روانہ ہوئے۔ بابلون کے قلعے کا محاصرہ سات ماہ تک جاری رہا۔ یہ قلعہ ناقابل تسخیر حد تک مضبوط اور محفوظ تھا۔ اور سامان رسد کے وافر ذخائر اس میں موجود تھے۔ اس قدر طویل محاصرے سے عرب اکتا گئے۔ مگر عمرو بن عاص نے اس محاصرے کے ساتھ ساتھ دوسرے علاقوں کی فتوحات بھی جاری رکھیں۔ آخر کار قلعے کا محاصرہ تنگ کر دیا گیا اور زبیر بن عوام ایک سات موقوفہ پا کر قلعے کی دیوار پر چڑھ گئے۔ انہوں نے محافظوں کا کام تمام کر کے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ اور اس طرح یہ قلعہ اسلامی فوجوں کے قبضہ میں آ گیا۔

بابلون کی فتح کے بعد عمرو بن عاص نے اسکندریہ پر فوج کشی کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ قسطنطین کے بعد یہ

شہر رومی سلطنت کا سب سے بڑا تجارتی مرکز اور بہت اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس شہر کو سکندر اعظم نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط سمندری بیڑہ اور پچاس ہزار رومی فوج یہاں متعین تھی۔ سامان رسد اور اسلحہ کے بڑے ذخیرے یہاں موجود تھے۔ یہ شہر اپنی خوبصورتی کے علاوہ رومیوں کے لئے سیاسی اور فوجی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ فتح مصر کے آخری مرحلہ میں عمرو بن عاص کی فوجیں جب شمال مغرب کی جانب روانہ ہوئیں تو ان کی تعداد اٹھارہ ہزار ہو چکی تھی۔ اسکندریہ پہنچتے پہنچتے اسلامی فوجوں کو چند ماہ گزر گئے۔ مگر ان کی فتوحات جاری رہیں راستے میں اشمون علیا۔ کوم۔ مافوت۔ شیخ اور طخ وغیرہ کے مضبوط قلعے اور شہران کے زیر تسلط آتے گئے۔ اور رومی فوجیں شکست پر شکست کھاتی ہوئی اسکندریہ کی طرف پیچھے ہٹتی گئیں۔ یہاں تک کہ جولائی ۶۴۱ء میں اسلامی فوجوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ چار ماہ تک جاری رہا۔ عمرو بن عاص نے اسکندریہ کی ناکہ بندی فوج کے ایک حصے کی ذمہ داری میں دے کر دیگر علاقوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر مدینہ میں محاصرہ طویل ہو جانے کی وجہ سے تردد ایک قدرتی امر تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی سپہ سالار کو لکھا۔

”معلوم ہوتا ہے تم بھی رومیوں کی طرح آرام پسند ہو گئے ہو۔ ورنہ اس قدر دیر نہ ہوتی“

اس خط نے تازیانے کا کام کیا۔ اور اسلامی لشکر نے اپنے نئے حملے کی ابتدا اس جوش و خروش سے کی کہ رومی فوجیں اس کی تاب نہ لاسکیں اور صلح کی طالب ہوئیں۔ صلح نامہ کی شرائط مسلمانوں کے حق میں طے ہوئیں۔ اور صلح کی مینعا د گیارہ ماہ رکھی گئی۔ جو ستمبر ۶۴۲ء میں ختم ہونا تھی۔ مسلم افواج عہد نامہ کی پابندی کرتے ہوئے گیارہ مہینے تک اسکندریہ کے شہر میں داخل نہ ہوئیں۔ اس شہر پر مکمل قبضہ عہد نامے کی مینعا د ختم ہونے کے فوراً بعد کیا گیا۔ اور فتح اسکندریہ کے ساتھ مصر کی فتح تقریباً مکمل ہو گئی۔ ملک کو پورے طور پر تسلط میں لانے کے لئے محدود لیول پر مقامی قبائل اور رومیوں کے خلاف جنگیں ہوتی رہیں۔ جس کا بنیادی مقصد ہر قسم کی مخالفت کی بیخ کنی اور اسلامی حکومت کو استحکام بخشنا تھا۔ عمرو بن عاص نے تقریباً دو سال سے بھی کم عرصے میں رومیوں جیسی عظیم الشان سلطنت کو مصر میں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور اسلام کا وہ چراغ سرزمین مصر پر روشن کیا جو چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی ویسا ہی روشن ویسا ہی ضیا پاش ہے جیسے پہلے روز تھا۔

فتح مصر کے بعد عمرو بن عاص کی ہم جو طبیعت صرف اسی فتح پر قانع نہیں ہوئی بلکہ وہ اسلام کا پیغام اور آگے پہنچانا چاہتے تھے۔ اودیہ خواہش رکھتے تھے کہ رومیوں کی قوت کو اس حد تک توڑ دیا جائے کہ ان کو پھر کبھی مسلمانوں سے محاصرہ لپس لینے کا حوصلہ نہ ہو۔ اور دین حق اس سرزمین پر امن اور سلامتی کی فضا میں فروغ پاسکے۔ اس مقصد کے لئے عمرو بن عاص نے ایک لشکر مغرب کی جانب روانہ کیا۔ جس نے جون ۶۴۳ء میں طرابلس کو گھیرے لیا۔ محاصرہ تین ماہ تک جاری رہا۔ ایک روز سخت جنگ کے بعد عمرو بن عاص خود ایک دستہ ساتھ لے کر سمندر کی طرف

شہر میں داخل ہو گئے۔ جس طرف فصیل نہ تھی۔

طرابلس پر قبضے کے بعد عمرو بن عاص نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر اجازت چاہی کہ یونس صرف ۹ منزل کے فاصلے پر ہے اگر خلیفہ وقت اجازت دیں تو وہ بڑھ کر اس کو بھی مملکت اسلامیہ میں شامل کر لیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس کی مانعت کر دی۔ وہ چاہتے تھے کہ جو علاقہ قبضے میں آچکا ہے اس کا انتظام کر کے اس کی حفاظت کی جائے۔ چونکہ اور جنگوں سے قلیل اسلامی لشکر کے تلف ہو جانے کا امکان موجود تھا اور وہ خود دوسرے علاقوں میں مہمات کی وجہ سے مصر کے لئے مزید ملک مہیا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے اس موقع پر فتوحات کا دائرہ مزید بڑھانا مناسب نہ سمجھا۔

مصری باشندے رومیوں کے پیچھے استبداد سے سات سو سال بعد آزاد ہوئے تھے اور ایک بدترین طویل علانی کے بعد انہوں نے پہلی بار عدل و آزادی کی نفس میں سانس لیا تھا۔ وہ اسلامی رواداری، مساوات اور شفقت کا برتاؤ دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ لاکھوں قبطی عمرو بن عاصؓ کے ہاتھ پر مشرت بہ اسلام ہوئے۔ جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہے۔ والی مصر نے ان کو اس بات کی مکمل آزادی دے دی کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے عقیدے پر کار بند رہیں۔ ان کے جان و مال، جائیداد، عزت و حرمت، دولت و تجارت غرض ہر چیز کی حفاظت کا انہیں یقین دلادیا گیا۔ انتظامی امور کے لئے چن چن کر قابل اور ایماندار لوگوں کو رکھا گیا۔ اور ہر عقیدے کے لوگوں سے برابر کا سلوک کیا گیا۔ عمرو بن عاصؓ نے رومیوں کے زمانے کے غیر انسانی قوانین کو منسوخ کر کے ایک عادلانہ نظام قائم کیا۔ خراج، جزیہ، مالیہ وغیرہ کی وصولی خود قبطیوں کے حوالے کی اور امن عامہ اور فلاح و بہبود کے ایسے کام کئے کہ جلد ہی مصریوں کے سب سے بڑے یونس و ہمدرد سمجھے جانے لگے۔ فسطاط کا شہر محاصرہ بابلون کے دوران آپ کی اس خیر بستی کے مقام پر آباد ہوا۔ جہاں آپ سات ماہ تک مقیم رہے تھے۔

عمر بن عاصؓ کی فتوحات عسکری نقطہ نظر سے اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ آپ کے تمام معرکے مسلسل جارحانہ کارروائی کے جیتے جاگتے نمونے اور جرأت و مردانگی کے لازوال نقوش ہیں۔ آپ ایک دور فہم فوجی قائد تھے اور اپنے مقابل کی نفسیات اور اس کی کمزوریوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اور ان سے ہر وقت فائدہ اٹھانے کے فن کو جانتے تھے۔ مہمات فلسطین کے دوران آپ نے اندازہ کر لیا تھا کہ رومی باوجود تعداد میں کمی گناہوں نے اور بہتر اسلحہ سے بے بس ہونے کے پہل کرنے سے کتراتے تھے۔ تساہل پسند تھے اور جارحانہ کارروائی پر دفاعی جنگ کو ترجیح دیتے تھے ہر لشکر اور ہر قلعہ اپنی علیحدہ جنگ لڑنے کا عادی تھا وہ دشمن کی تغل و حرکت سے بے نیاز اور موقع سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیتوں سے بے بہرہ ہو چکے تھے۔ حوصلہ جلد ہار تے تھے۔ اور ایک دوسرے کی مدد کو پہنچنے اور ایک منضبط جہتی منصوبے کے تحت لڑنے کے اوصاف بھول چکے تھے۔ عوام کے ساتھ ان کا سلوک ظالمانہ تھا اور ان کی ہمدردیاں اپنے آقاؤں کے ساتھ نہ ہونے کے برابر۔

عمر بن عاصؓ ایک ذریعہ سپہ سالار کی طرح ان کمزوریوں کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے ان کا بھرپور استعمال کیا۔ فتح مصیقت تعداد کے باوجود عمرو بن عاصؓ کی انتظامی قابلیت اور جنگی بصیرت ایک ایسا گارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے :

اس مضمون کی ترتیب و تدوین کے لئے مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا :

- ۱۔ تاریخ اسلام (انگریزی) سید امیر علی
۲۔ تاریخ اسلام (انگریزی) فلیپ کے ہٹی
۳۔ فاروق اعظم - مولانا شبلی نعمانی
۴۔ عمرو بن عاص - اسلم جے راج پوری
۵۔ اسلامی جنگیں - کرنل گیلانی :

بقیہ از ص ۱۴ سرسید

انگریزوں کا ساتھ انہوں نے وقت کی کسی عبوری کی بنا پر نہ دیا تھا۔ اس کا تعلق وقت شناسی کے اس جوہر سے تھا جو ان کا خاندانی ورثہ تھا۔ سرسید نے مغلیہ حکومت کی زوال پذیری، ملک کی عام حالت، مجاہدین آزادی کی تنظیمی تحریک کی لامرگزیت کو محسوس کر کے اور مغلیہ حکومت کے انگریز ٹھیکے داروں (ایسٹ انڈیا کمپنی) کے م وجہیت اور ان کی منظم اور بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ پھر اس راہ کے جو نقصان تھے وہ انہوں نے پورے کئے۔ اور رسم وفا کو نبایا۔ اور عیب غداران وطن کو ان کی کارگزاریوں کا صلہ دینے کا وقت تو ایک جاں نثار وطن کی جایداد سرسید کو بھی پیش کی گئی لیکن انہوں نے جاگیر قبول کرنے کی بجائے وظیفہ کی شکل میں اپنی "خدمات" کا صلہ وصول کرنا چاہا۔ یہ سرسید کی بڑی دور اندیشی تھی۔ انگریز کے لئے یہ ایک قابل قبول صورت تھی اس نے قبول کر لی۔ اور سرسید زندگی بھر "حسن خدمات" کے نام پر "غدار می وطن" کا صلہ پا رہے :

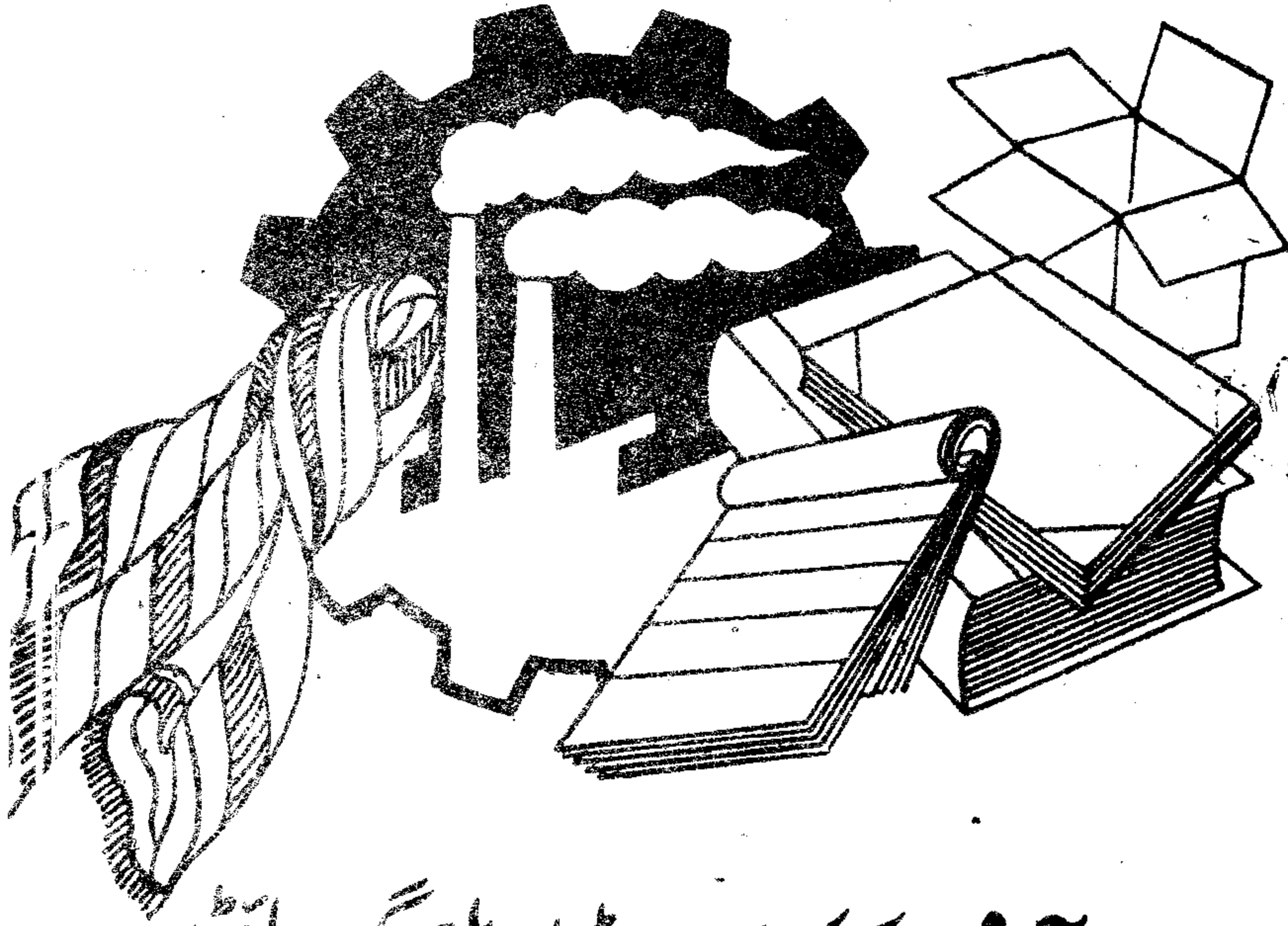
بقیہ از ص ۶ مخزن التفاسیر

"تو کہہ میں پناہ میں آیا۔ لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود کی بدی سے اس کی جو بھیس لائے چھپ جائے وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دل میں جنوں میں اور آدمیوں میں" مولانا محمد الیاس منسیر زیر نظر تفسیر نے مندرجہ ذیل ترجمہ پیش کیا ہے۔

"وواہم پناہ غور کم یہ پروردگار د خلقوا بادشاہ د خلقو معبود د خلقو له شره سو سم غرزونی خناس نہ هغه دئی چه وسوسه غرزوی به بنود خلقو کینن پیر یا نو او خلقو نہ"

مندرجہ بالا موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد الیاس نے زیادہ تر استفادہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فارسی ترجمہ سے کیا ہے۔

پاکستان کی اقتصادی ترقی میں قدم بہ قدم شریک



آدمجی کے کاغذ - بورڈ اور بلیچنگ پاؤڈر



آدمجی پیپر اینڈ بورڈ ملز لمیٹڈ

آدمجی ہاؤس - پی۔ او۔ بکس ۳۳۳۲ - آئی۔ آئی۔ چندریگر روڈ، کراچی ۱

کتاب "یہودیت و مسیحیت" پر ایک تحقیقی نظر

التحریر والانتقاد

بشیر محمد اختر

مذہب اہل کتاب کی حقیقت

ادیان عالم کا مطالعہ و تقابل جس قدر پچھلے اور خیال افروز موضوع ہے اسی قدر اس پر اظہار رائے کرنا اور اسے ادبی اور فنی طور سے صاف صاف و صاف صاف دامن بچالینا ایک امر محال ہے۔ اس قسم کے موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے اکثر و بیشتر ذاتی جوش و جذبے کی بلندگی، معقولیت و صداقت کے دھیمے ٹھروں پر غالب آتی محسوس ہوتی ہے۔ خصوصاً مذہب و دین کے مذاہب زیر بحث ہوں۔ تو تعصب و عناد کو بالائے طاق رکھ کر حق گوئی کا فریضہ دینا کار خیر نہیں ہے، ہمت آزما بھی ہے اور بڑے حوصلے اور جرأت کی بات۔ ایسی بیشتر تحریریں عام طور پر اٹی رنگ پر رہتی ہیں اور وزن و وقار اور تاثیر و اعتدال کی ملامت و معقولیت سے عاری۔

اس میں شک نہیں کہ خالص علمی، معروضی اور سائنسی نظر انداز سے بھی ایسے موضوعات کے مطالعے اور ہم کی کوششیں کی گئی ہیں۔ اور ایسے ہی اسلوب میں انہیں پیش بھی کیا گیا ہے۔ اسی لئے وہ فکر و فہم کی راہ سے گہرائیوں تک اپنے اندر پوشیدہ رہے ہیں کامیاب رہیں۔ اسی طرح ایک سعی بلیغ ڈاکٹر احسان الحق رانا کی تصنیف "یہودیت و مسیحیت" کی صورت میں کی گئی ہے۔ اس کا ذیلی عنوان ہے:-

"مذہب اہل کتاب کی حقیقت"۔ اور یہ حقیقت اہل کتاب کی اپنی ہی کتابوں کی روشنی میں نہایت برآمداری اور سب سے تعبیر کے ساتھ پیش کر دی گئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے پانچ سالہ تحقیقی مطالعے کا حاصل پہلے ایک مسودے کی شکل میں مرتب کیا اور اس پر پچاس نقلیں سلطان العلماء اور سید محمد زکریا کو تبصرے کے لئے روانہ کی تھیں۔ تاکہ کتاب کی اشاعت سے پہلے مرے اور تنقید کے مراحل بھی طے ہو جائیں۔ اور ضروری تغیر و تبدل کر دیا جائے۔ خوش بختی سے اس مسودے کی نقل راقم الوقت کو بھی موصول ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں پہلا تاثر بھی قائم ہوا تھا کہ سائنسی علوم و حقائق سے وابستہ نتائج کی نگارشات ضرور حق و صداقت اور ثبوت و دلائل و اسناد پر مبنی ہوں گی اور ضرور قابل توجہ اور اثر پذیر ٹھہریں گی۔ چنانچہ پورے مسودے اور اب پوری کتاب کے مطالعے سے یہ بات اظہار من اشہر ہو گئی کہ

اس میں بائبل کے علاوہ خود یہودیوں اور مسیحیوں کی مشہور و مستند کتابوں کے حوالوں سے ثبوت پیش کئے گئے ہیں کہ یہ بھی کوئی خالی دعویٰ یا جذباتی قسم کا اعتراض نہیں کیا گیا اور نہ بغیر دلیل اور حوالے کے بات کی گئی ہے۔

حق و صداقت کی اس آواز کو دیا دینے کی مذموم و ناکام کوشش بھی کی گئی۔ اور کتاب کی اشاعت سے پہلے اسے نہ صرف ضبط کر دیا گیا بلکہ مصنف پر جھوٹا مقدمہ قائم کر کے اعلیٰ ملازمت سے برطرفی اور جیل بندی کی صورتوں میں بھی مبتلا کر دیا گیا۔ تحقیقی احوال کے بعد مصنف پر لگائے گئے سبھی الزامات غلط ثابت ہوئے۔ چنانچہ مقدمہ واپس لے لیا گیا۔ اور مسودہ و اگزار کر دیا گیا۔ چنانچہ پھر نظر ثانی کے بعد کتاب صدیقی ٹرسٹ کراچی کے تعاون سے مسلم اکادمی لاہور نے نومبر ۱۹۸۱ء میں شائع کر دی۔

ایسی معرکتہ آرا کتاب کی اشاعت پر مصنف اور ناشر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یہ کتاب صداقت پسند اور حقیقت جو انسان کے لئے غور و فکر کا ایک وافر سرمایہ فراہم کرتی ہے۔ اس کی ترتیب میں جس جاں فشانی و عرق ریزی اور صاف گوئی سے کام لیا گیا ہے اس کا اعتراف بہت ضروری ہے۔ انداز و اسلوب شروع سے آخر تک سائنسی اور تجزیاتی ہے۔ اور یہ اس کی اپیل اور تاثیر کی ایک بڑی ضمانت ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف نے اپنی اس تالیف کو کسی قسم کی منفعت کا وسیلہ نہیں بنایا۔ چنانچہ کوئی راکٹی وصول نہیں کی اور نہ کوئی بلکہ سب کچھ اظہار حق کے لئے کیا۔ اور فی سبیل اللہ۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔

کتاب چار سو صفحات اور سترہ ابواب پر پھیلی ہوئی ہے۔ ہم یہاں اس کتاب کے مندرجات کا باب جائزہ لیتے ہیں اور اس کے مباحث کے اہم نکات پیش کرتے ہیں۔

پہلا باب بائبل کی کتابوں کے بارہ میں ہے۔ سات صفحات کے اس باب میں بائبل کے دونوں حصوں یعنی عہد قدیم اور عہد نامہ جدید میں شامل کتابوں کی فہرست دی گئی ہے۔ عہد نامہ میں کتابوں کی تعداد ۴۶ ہے۔ انہیں اور عیسائی کلام الہی مانتے ہیں لیکن مسیحیوں کی پروٹسٹنٹ جماعت ان میں سے صرف ۳۹ کو صحیح مانتی۔ اور باقی کتابوں پر ایمان نہیں رکھتی۔

عہد نامہ جدید میں شامل کتابوں کی تعداد ۲۷ ہے۔ ان میں چار انجیلوں کو شروع میں جگہ دی گئی ہے۔ حالانکہ انجیلوں سے پہلے سینٹ پال کے خطوط لکھے جا چکے تھے۔ اس سے یہ بات نمایاں ہو جاتی ہے کہ چاروں انجیلوں کی بنیاد حضرت عیسیٰ کی تعلیم کے بجائے پال کے نظریات پر رکھی گئی ہے۔ نئے عہد نامے صرف مسیحی الہامی کلام مانتے ہیں۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ بعض رسولوں پر بعض کتابیں نازل ہوئی تھیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ملتا ہے۔ پیغمبروں پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ان پر اتاری گئی کتابوں پر ایمان لانا بھی مسلمانوں کے لئے

ایک ضروری شرط ہے۔ لیکن مسلمان قرآن مجید کے وسیلے اور تحقیق و مطالعے کے ذریعے سے یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ اب ان کتابوں میں بہت کچھ رد و بدل ہو چکا ہے اور الہامی کتاب میں انسانی کلام بھی شامل ہو گیا ہے۔ پھر خود ان کتابوں مثلاً توریت، زبور اور انجیل میں کہیں بھی یہ دعویٰ موجود نہیں کہ یہ اپنی اصلی حالت میں محفوظ بھی ہیں جب کہ قرآن مجید نے صاف صاف یہ اعلان کر دیا تھا کہ

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ط وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ه

بھاریہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا

اختلاف پاتے (النساء ۸۲)

بائبل میں اگر طرح طرح کے اختلافات اور تضادات پائے جاتے ہیں تو وہ الہامی ہونے کے اس معیار پر کہاں پوری اتر سکتی ہے؟ اس لئے اسے الہامی اور خدائی کلام نہیں سمجھا جاسکتا۔

دوسرے باب کا عنوان بائبل کی ترتیب و تدوین ہے۔ یہ باب بارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں فنک انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور کوئٹز انسائیکلو پیڈیا سے اقتباسات کی روشنی میں یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ بائبل کے تمام اصل نسخے گم ہو چکے ہیں۔ اور قدیم ترین نسخے جو میسر آئے ہیں۔ ان میں طرح طرح کے اختلافات اور تضادات راہ پا گئے ہیں۔ ان میں کئی الفاظ بدل دئے گئے اور کئی حذف کر دئے گئے ہیں۔ اس طرح متن کی معنوی حیثیت ہی متغیر ہو کر رہ گئی ہے اور خدائی کلام میں انسانی کلام کی شمولیت سے اصل بات کچھ کی کچھ ہو گئی ہے۔

تیسرے باب میں آسمانی کتابوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے تیس صفحات ہیں۔ یہ جائزہ جن اہم نکات کی وضاحت کرتا ہے انہیں ہم خلاصہ یوں سمیٹ سکتے ہیں۔

۱۔ تورات۔ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں تورات مانی جاتی ہیں۔ تورات کا معنی شریعت کا ہے۔ ان کتابوں میں موسوی شریعت درج ہے۔ یہودی اور عیسائی تورات کو حضرت موسیٰ کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ خود تورات کے مطالعہ سے اس کی تردید ہو جاتی ہے۔

بنیابیوں جتنا ہے کہ اصل تورات کا نسخہ ہیکل میں رکھا رہتا تھا۔ لیکن ہیکل کی بربادی کے ساتھ ہی وہ نسخہ بھی ضائع ہو گیا۔ چنانچہ بابل میں اسیری کے زمانے میں محض یادداشتوں سے تورات دوبارہ مرتب ہوئی اور پھر اس کی تحریر و ترمیم کا سلسلہ شروع ہو گیا اب صورت حال کچھ یوں معلوم ہوتی ہے۔ کہ تورات پانچ کتابوں کا مجموعہ ہونے کی بجائے ایک ہی کتاب ہے جو بائبل کے اندر کتاب استثنائی صورت میں موجود ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ کی زبانی لکھا گیا بیشتر کلام الہامی معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اصل تورات ہے۔ باقی کا کلام

جو نہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان تھی نہ ان کے حواریوں کی۔

ڈاکٹر احسان الحق رانا اپنے ایک اور مقالے میں "بائبل سے بائبل کی تکذیب" میں بھی بتاتے ہیں کہ عہدنا جدید کی تدوین و ترتیب سے عیاں ہے کہ مسیحیت کی بنیاد کتب عہد نامہ جدید پر نہیں رکھی گئی بلکہ عہد نامہ جہا مسیحیت کی پیداوار ہے۔ حضرت مسیح اور ان کے پیروکار مسیحی یہودیوں کی مادری زبان آرامی تھی۔ یسوع مسیح کے انتخاب کردہ سمجھی حواری ان پڑھ تھے۔ یونانی تو کیا وہ آرامی میں بھی کچھ لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ عہد جدید کی ساری کتابوں کا یونانی زبان میں لکھا جانا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ انہیں لکھنے میں فلسطینیوں اور حضرت مسیح کے حقیقی شاگردوں کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔

چھٹا باب۔ "تاریخ جنی اسرائیل حضرت یعقوب سے حضرت سلیمان تک" ۲۳ صفحات پر پھیلا ہوا اس باب میں بائبل کی رو سے بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات کا بیان اور بنی اسرائیل کی مردم شماری کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ پھر برٹانیکا کے حوالوں سے ان کے تضادات واضح کئے گئے ہیں۔ اور مبطلوں کو نشان دہی کی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کے والد عمران کی شادی اور کنعان میں یثوع کی فتوحات۔ بیانوں کے اختلافات نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

ساتواں باب بائبل میں مذکورہ نسب ناموں اور گوشواروں کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ یہ باب سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے مطالعے سے جو نکتہ ابھر کر سامنے آتا ہے یہی ہے کہ ان نسب ناموں میں مندر اسماء سن و سال، عہد و زمانے کو تاریخی حیثیت سے نہیں جانچنا چاہئے۔ کیونکہ بقول برٹانیکا موجود حالت میں بیان کردہ واقعات میں تاریخی اعتبار سے بہت سے اغلاط و تضادات موجود ہیں۔ اور اس سلسلے میں نامور علماء کے مابین اہم مسائل پر بہت سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہاں صرف ایک مثلاً واضح ہو:-

شاہ یہوداہ یہورام بن یہوسفط ۴۴ برس کی عمر میں فوت ہوا۔ (۲۔ تواریخ ۲۱: ۲۰) اس کے بعد اس کا سب سے چھوٹا بیٹا اخضر یاہ تخت نشین ہوا اور اس وقت اس کی عمر ۴۲ برس کی تھی (۲۔ تواریخ ۲۲: ۲) گویا سب سے چھوٹا بیٹا اپنے باپ سے بھی دو سال بڑا تھا۔

آٹھویں اور نویں باب میں بھی بائبل کے بیانات کے تاریخی مغالطوں اور تضادوں کا مذکور ہے۔ دو باب ص ۱۵۲ سے ص ۲۰۰ تک پہنچتے ہیں۔ بیانات تو بنیادی طور پر بائبل کے ہیں اور ان پر تبصرے کہ

۱۔ "بائبل سے بائبل کی تکذیب" ڈاکٹر احسان الحق رانا، ادارہ تحقیق مذہب، گلبرگ لاہور ۱۳ جنوری ۱۹۸۲ء

یہ بیان بھی درست نہیں کہ سورج اور چاند کھٹے بنے تھے۔

بائبل کے بیانات کی رو سے اولین انسان یعنی حضرت آدم کی پیدائش قریباً چھ ہزار برس پیشتر ہوئی تھی لیکن جدید سائنس دان زیادہ تر یہودی اور عیسائی ہیں۔ ایسے بیانات کی تکذیب کر رہے ہیں مثلاً جدید حقیقات کے مطابق فلسطین میں انسانوں کے بسنے کے آثار کم از کم دو لاکھ سال پرانی پتھر کی تہذیب سے ملتے ہیں۔ اسی طرح کلو لینڈ امریکہ کے ایک ماہر علم الانسان ڈاکٹر جانسن نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس نے تیس چالیس لاکھ سال پیشتر کے آدمی کی ایک نئی نوع دریافت کر لی ہے۔ جس سے ڈارون کا نظریہ باطل ہو کر رہ گیا ہے۔

اس طرح بائبل میں مندرج قصے اکثر و بیشتر غیر فطری اور غیر سائنسی ٹھہرتے ہیں۔ مثلاً یسوع کا بیان۔ اے سورج! توجہوں پر اور اے چاند! تو وادی یائون میں ٹھہرا۔ سورج ٹھہر گیا اور چاند ٹھہرا۔ حاجب تک قوم نے دشمنوں سے اپنا انتقام نہ لیا۔

گویا سورج اور چاند دونوں ایک ہی وقت میں جلوہ فگن ہیں اور دونوں کو اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر جانے کی ہدایت ہو رہی ہے۔ پھر آگے ان دونوں کے ٹھم جانے کا بیان ہے۔ حالانکہ یہ امر غیر فطری ہے۔ اگر اجرام فلکی میں سے کوئی ایک بھی لمحے بھر کے لئے ساکن ہو جائے تو قیامت برپا ہو جاتے۔

بادشاہ ابی ملک اور حضرت سارہ کا واقعہ بالکل لغو معلوم ہوتا ہے۔ یہ واقعہ کتاب پیدائش میں حضرت ابراہیم کو حضرت سارہ سے حضرت اسحاق کے پیدا ہونے کی بشارت ملنے کے بعد بیان ہوا ہے اس وقت حضرت سارہ نوے برس کی بوڑھی اور بانجھ تھیں۔ ان کا احوال اور سن و سال ہرگز ایسا نہ تھا

لے یہاں فرانس کے سرجن اور سکالر ڈاکٹر مورلیس بوکائے کی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" کا حوالہ دے موقع نہ ہو گا۔ انہوں نے اس کتاب میں سب سے شمار حوالوں اور مثالوں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ عہد نامہ قدیم کی کتاب پیدائش میں دنیا کی تخلیق اور زمین پر انسان کے ظہور اور انساب سے متعلق جو علاوہ شمار دئے ہیں۔ وہ جدید سائنسی معلومات کے مسلمہ حقائق سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔ اس لئے انہیں تسلیم کرنا بہت مشکل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جدید سائنس انکشافات اور علوم بائبل کے بیانات کی تصدیق و توثیق نہیں کرتے۔

نقصیات کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر بوکائے کی کتاب "یاقوم کا مضمون" ایک فرانسیسی سائنسدان کی مفکرانہ تصنیف، بائبل، قرآن اور سائنس، مطبوعہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک جنوری ۱۹۸۲ء

مثلاً حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد کے حالات تورات کا حصہ نہیں اور یہ محرف کلام ہے یا الحاقی۔
۲۔ زبور۔ قرآن مجید کی رو سے زبور حضرت داؤد پر نازل ہوئی۔ لیکن بائبل میں شامل زبور کے متعلق عیسائیوں کی روایت یہ ہے کہ یہ ان پانچ دیوانوں کا مجموعہ ہے جن میں ہر طرح کے مذہبی گیت درج ہیں ان مزامیر کا شمار عموماً ایک سو پچاس دیا جاتا ہے ان کی تعداد اور ان کے مصنفین کے بارے میں کئی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ گمان یہی گزرتا ہے کہ ان میں سے اکثر مزامیر مختلف لوگوں کے ہیں۔ اور حضرت داؤد کے بہت بعد کی تصنیف ہیں۔

۳۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی لیکن مروجہ انجیل اربعہ ۴۰ء اور ۱۰۰ء کے درمیان یعنی حضرت عیسیٰ کے رفع سماوی کے بعد بہت لمبی گئیں جب کہ اصل انجیل موجود نہ تھی۔ پھر یہ انجیل نہ آرامی زبان میں تھیں اور نہ عبرانی زبان میں بلکہ یونانی میں جو نہ حضرت عیسیٰ کی زبان تھی اور نہ ان کی قوم کی۔ چنانچہ ان کی حیثیت حضرت عیسیٰ کے کلام کی عدم موجودگی میں زیادہ سے زیادہ تراجم کی ہو سکتی ہے لیکن اس قسم کے تراجم کی صحت پر انحصار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اس صورت میں موجودہ انجیل قابل اعتماد نہیں ٹھہرتیں۔
۴۔ محفوظ اور مستند کلام الہی ہونے کا ثبوت وحید صرف قرآن مجید کو حاصل ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ دنیا کی بالکل بے نظیر کتاب ہے۔ آیات قرآنی کو نزول کے بعد ایک طرف تو لکھ کر محفوظ بنا دیا جاتا تھا تو دوسری طرف حفظ کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کا اصل متن روزِ اول سے آج تک نہ صرف اوراق کے سفینوں میں محفوظ ہے بلکہ حفاظ کے سیموں میں بھی محفوظ ہے۔ اس کے ترجمے دنیا کی کم و بیش تمام زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ لیکن ترجمے کے ساتھ اصل متن میں دشمن موجود ہوتا ہے۔ تاکہ کسی قسم کی تبدیلی یا تحریف کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور اگر کہیں قاری کو اشتباہ ہو جائے تو وہ اصل سے اپنی تسلی کر لے۔ پھر چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور اس کا آخری پیغام ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے اس طرح قرآن مجید آسمانی کتابوں میں ممتاز و منفرد حیثیت کا حامل ہے۔

چوتھا باب کتبِ عین کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ اور چوبیس صفحوں کو محیط ہے۔ اس میں فاضل مولف ہمیں بتاتے ہیں کہ ایک طرف تو بائبل کی کتابوں کو ایسا ہی قرار دیا جاتا ہے اور دوسری طرف ان کتابوں کے مصنفین کے نام بھی دئے جاتے ہیں۔

کتاب پیدائش کے ابتدائی ابواب کے اقتباسات دے کر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ان میں درج بیانات خود یہودی اور عیسائی سائنس دانوں کے نزدیک قوانینِ فطرت کے خلاف ٹھہرتے ہیں مثلاً کہا گیا ہے کہ پہلے دن خدا نے زمین اور آسمان پیدا کئے حالانکہ زمین اور آسمان ایک وقت میں نہیں بنے۔

بٹے تھے کہ اٹھا نہیں اٹھا سکتے تھے۔

قرآن مجید کے بیان کی روش سے حضرت ابراہیمؑ کے کوئی اولاد نہ تھی تو انہوں نے اس کے لئے دعا مانگی۔
اللہ تعالیٰ نے ان کو نرم دل پہلوٹھا بیٹا (حضرت اسماعیلؑ) عطا کیا۔ اور انہوں نے حکم الہی کے مطابق حضرت
اسماعیلؑ کو ہی قربانی کے لئے پیش کیا۔ قربانی کے واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود حضرت اسحاقؑ کی بشارت
کی تفصیلات کے لئے سورۃ الصفات کی آیات ۹۹ تا ۱۱۳ ملاحظہ فرمائیے۔

پانچواں باب مسیحی اور یہودی اقوام "ہے اور رسولہ صفیات پر پھیلایا ہوا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل
ہدایات واضح کئے گئے ہیں۔

۱۔ حضرت عیسیٰؑ کو ابن داؤد کہنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عہد نامہ قدیم کی
بابیں کئی جگہ یہ خبر دیتی ہیں کہ یہودیوں کو غلامی سے نجات دلانے والا حضرت داؤد کی نسل سے ہو گا۔ اس
حضرت عیسیٰؑ سے یہ امید وابستہ کر کے انہیں ابن داؤد کہا جانے لگا۔

۲۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے آپ کو کہیں بھی ابن داؤد یا ابن اللہ نہیں کہا۔ صرف ابن آدم اور نبی کے طور
پر بیان کیا ہے۔ لیکن اناجیل میں انہیں بارہا ابن داؤد اور ابن اللہ لکھا گیا ہے۔

۳۔ وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے خود ان کا فرمانا ہے کہ "میں بنی اسرائیل کے
لئے آنے کی کھوٹی ہوئی بھڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" اس لئے انہیں اقوام عالم کا منجی
بمقطعاً درست نہیں۔

۴۔ حضرت عیسیٰؑ کا پیغام اپنی اصل شکل و صورت میں ہم تک نہیں پہنچا۔ پھر اس میں تخریفات و تغیرات کا عمل
کرایا گیا اور سینٹ پال نے کئی احکام منسوخ کر دیے بلکہ کئی نئے عقائد دین میں شامل کر دیے۔

۵۔ اناجیل اربعہ کی ترتیب سے قبل سینٹ پال نے اپنے چودہ مکتوب تحریر کئے تھے جو عہد نامہ جدید
اہم حصہ شمار ہوتے ہیں۔ پال ہی کے نظریات کی بنیاد پر انجیلیں مرتب ہوئیں اور وہ بھی ایک ایسی زبان میں

لکھا گیا تھا کہ "تظہیر بائبل" کے مصنف نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ اسماعیلؑ کے ختنے کے وقت اس کی عمر تیرہ سال
تھی اس کے بعد اسحاقؑ کی بشارت ہوتی ہے اور ایک سال بعد اسحاقؑ پیدا ہوتا ہے گویا کہ بائبل کے مطابق ہاجرہ اور
اسماعیلؑ کی ہجرت کے وقت اسماعیلؑ کی عمر تقریباً ۱۱ سال کی تھی انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہم انہیں مواخذہ سے اتفاق
نہیں دے گا جو اسلامی روایات اور تحقیقات سے ہم تک پہنچے ہیں۔ مزید لکھا ہے کہ اگر ہم مسئلہ ذبیحہ کا بلا تعصب فیصلہ
دیں تو اس عظیم قربانی کا حقدار صرف اسماعیلؑ ہے کیونکہ وہ ابراہامؑ کا پہلا پھل ہے "تظہیر بائبل" ص ۶۴ تا ۷۰

کہ بادشاہ وقت ملاقات کا مشتاق ہوتا۔ اسی طرح کتاب پیدائش ہی میں حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اس سے تو یہی تاثر قائم ہوتا ہے کہ وہ ایک بزدل اور بے جس انسان تھے۔ حالانکہ حقائق اس کے بالکل برعکس ہیں۔

کتاب پیدائش ہی میں حضرت لوطؑ اور ان کی بیٹیوں کا قصہ بیان ہوا ہے یہ سراسر الزام تراشی ہے پھر اس میں ایک صریح غلط بیانی سے بھی کام لیا گیا ہے کہ اس وقت زمین پر کوئی مرد موجود نہ تھا جو ان لڑکیوں سے شادی کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت حضرت لوطؑ کے چچا حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم موجود تھی اور حضرت لوطؑ کی بالغ لڑکیاں اس حقیقت سے نا آشنا نہیں ہو سکتی تھیں۔ اسی طرح اور بیسیوں اور ان کی اولاد پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے گئے ہیں۔

اسی باب میں چند اور قصوں کے تضادات بھی واضح کئے گئے ہیں۔ جیسے حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں کتاب پیدائش کے مطالعے سے عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے وقت چودہ برس کے تھے۔ لیکن اسی کتاب کے باب ۲۱ میں حضرت اسماعیلؑ کی علیحدگی کا قصہ اس طرح بیان کیا گیا کہ گویا حضرت اسحاقؑ کا دودھ چھڑاتے وقت ننھے بچے تھے۔ پھر جب اکلوتے بیٹے کی قربانی کا سوال سامنے آتا ہے تو حضرت اسحاقؑ کا نام لیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ کسی طور بھی اکلوتے نہیں ٹھہرتے۔ بائبل کی رو سے جس بیٹے کی قربانی پیش کی گئی وہ سوختنی لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے کے قابل تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت اس قدر چھوٹے

۱۔ اعجاز چوہدری نے اپنی کتاب "تظہیر بائبل" میں اس واقعے کی جزئیات کا جائزہ لے کر اسے مسترد کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ لڑکیوں کا اپنے باپ سے ہم آغوش ہونا اور اس کو اس بات کا علم نہ ہونا۔ جنسی کارکردگی کی تصویر کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ نشے کی حالت اگر بے ہوشی تک پہنچ گئی ہو تو اعضا مضحمل ہو جاتے ہیں اور انسان یہ فعل نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے برعکس اگر وہ بے ہوش نہیں، صرف نشے کی حالت میں ہے تو اس کو مفعول کی پوری پوری پہچان ہوگی۔ ہمارے مشاہدے میں بلا نوش قسم کے لوگ آئے ہیں لیکن گھر پر وہ ماں بہن اور بیوی میں تمیز کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس استثناء سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اسرائیلی کاہنوں کے موآبی اور عمونی نسلوں کو ذلیل کرنے کے لئے بطور ہند اس مجوسے میں داخل کر دی ہے۔ دیکھتے "تظہیر بائبل" فیتھ پبشرز لاہور۔ جلد اول ص ۶۴ (مذکورہ کتاب کے مصنف اعجاز چوہدری ایک مسیحی مبلغ تھے اپنی کتاب کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں اور دینی خدمت میں مصروف ہیں۔

اسی انسائیڈکو پیڈیا سے پیش کئے گئے ہیں۔

دسواں اور گیارہواں باب (صفحہ ۲۰ تا ۳۰ تک) حضرت عیسیٰ کے حسب و نسب، پیدائش اور حالات زندگی سے متعلق ہیں۔ ان ابواب کے چند اہم نکات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ یائیل میں روایت کردہ حضرت عیسیٰ کے نسب نامے باہم مختلف ہیں۔

۲۔ انہیں حضرت داؤد کی اولاد ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ کی والدہ حضرت مریم آل عمران سے تھیں۔

۳۔ حضرت عیسیٰ کے عام حالات نہیں ملتے کیونکہ برٹانیکا کے بموجب ان کے اپنے زمانے کا لکھا ہوا کوئی بھی ماخذ نہیں جس سے ان کی زندگی کے حالات قلم بند کئے گئے ہوں۔ ان کی تاریخی زندگی کے متعلق جو کچھ مذکور ہے اس کا ماخذ بلا استثنا یسوع کے بعد وضع کردہ نظریات اور خاص طور پر وہ قدیم مواد ہے جسے پہلی انجیلیوں میں اکٹھا کیا گیا ہے۔ غبارِ جدید کی شہادتیں اس قدر متضاد ہیں کہ ان میں سے اکثر سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں کوئی نتیجہ برآمد نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے بارے میں اناجیل میں متضاد بیانات موجود ہیں ان سے کئی غلط فہمیاں اور گمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔

بارہواں باب چوبیس صفحات پر مشتمل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں اور حواریوں کے بارے میں ہے۔ اس میں درج ذیل نکات پر مدلل بحث کی گئی ہے۔

۱۔ اناجیل کے بیانوں سے حضرت عیسیٰ کے بارہ شاگردوں اور حواریوں کی حقیقت اور ان کے ناموں کے بارے میں شکوک پیدا ہو جاتے ہیں۔

۲۔ حضرت عیسیٰ کے بعد سینٹ پال نے آکر ان کی تعلیمات کے برعکس اپنی قیادت قائم کر کے ایک نئے ہیں نور و اوج دیا۔ چنانچہ بعد کی صدیوں میں کلیسا نے حضرت عیسیٰ کی بجائے پال ہی کو مسیحیت کا مستند مانا اور قائد قرار دینا شروع کر دیا۔

تیسرے باب (ص ۲۵۵ تا ۲۸۸) "مصلوبیت مسیح" کے عنوان سے یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے

۱۔ معاملہ مشتبہ ٹھہرتا ہے۔ چاروں انجیلیوں میں اس ضمن میں پیش کئے گئے واقعات باہم متضاد ہیں البتہ انبار ناباس میں جو تفصیلات درج ہیں وہ قرآنی موقف کی تصدیق کرتی ہیں۔

۵۔ یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا اور ان کی جگہ یہود اہل سکریوتی مشابہت (باقی اگلے صفحہ پر)

چودھویں باب (ص ۲۸۹ تا ۳۱۴) کا عنوان ہے۔ "ابن اللہ اور عقیدہ تثلیث" حضرت عیسیٰ نے اپنے بیانون اور وعظوں میں خود کو کہیں بھی ابن اللہ کہہ کر پیش نہیں کیا بلکہ بار بار انہوں نے خود کو ابن آدم (اناجیل میں کم از کم ستر مقامات پر) عہد نامہ قدیم میں جہاں کہیں خدا کا بیٹا یا خدا کا پہلو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ کسی برگزیدہ بندے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ اور ان کا خدا کی اپنی زبانی قرار دیا جانا لگھا۔ جب کہ انجیلوں میں یہ سب الفاظ مصنفین کے اپنے ہیں اور کسی ایک جگہ بھی خدا کی زبانی نہیں۔

تثلیث کا عقیدہ مسیحیت کا ایک بنیادی عقیدہ بن چکا ہے۔ لیکن اپنی پیچیدگی کے سبب کبھی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت عیسیٰ سمیت تمام انبیاء ہمیشہ توحید کے عقیدے کی تبلیغ کرتے رہے اور اس پر سختی سے کاربند رہے۔ حضرت عیسیٰ کے بعد جب غیر اقوام دائرہ مسیحیت میں آئیں تو انہیں اپنے پرانے عقیدوں کے مطابق مطمئن کرنے کے لئے تثلیث کا نظریہ وضع کر لیا گیا۔

اسی طرح کفار کا عقیدہ ہے۔ اسے پندرھویں باب (ص ۳۱۵ تا ۳۲۶) کا موضوع بنا کر یہ بات پا ثبوت کو ہم پہنچا دی گئی ہے کہ یہ ایک بے بنیاد اور غیر فطری عقیدہ ٹھہرتا ہے۔ منصف مزاج اور روش خیال مسیحیوں نے بھی اس عقیدے کو ناقابل فہم اور غیر معقول قرار دیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ پر ایمان آسے ان کی "صلیبی موت" کفارہ بن کر انسان کو اس کے پیدا کنشی گناہ سے پاک کر دیتی ہے اور بندے خدا کے باہمی قرب اور ملاپ کا باعث بنتی ہے۔

سولہویں باب کے ۲۳ صفحات ہیں۔ ان میں عہد نامہ جدید کے باہمی اکیس تضادات بطور مثال کئے گئے ہیں۔ اسی طرح قدیم و جدید عہد ناموں میں لفظی و معنوی تحریفات کی چوالیس مثالیں درج کی ہیں۔ یہ ایسے مقامات ہیں جہاں عہد نامہ جدید میں عہد نامہ قدیم کا باقاعدہ حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن لفظ معنوی تحریفات سے گریز نہیں کیا گیا۔

سترھویں باب میں (۳۲۷ تا ۳۸۰) مسودہ کتاب پر مسیحی علماء کے تبصرے جمع کروئے گئے ہیں۔ تبصرے بالعموم سطحی اور جذباتی قسم کی رائے زنی پر مشتمل ہیں۔ ان میں کچھ اعتراضات بھی کئے گئے ہیں۔ (باقی صفحہ ۴۵)

بقیہ صفحہ ۴۳ ہو جانے سے پکڑا گیا تھا اور اسے صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ پھر یہ سارا معاملہ لوگوں کی نظر میں مستتب ہو گیا۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی تالیف "انجیل بارنا باس کا مطالعہ" اردو ایڈیشن۔ انگریزی ایڈیشن ۱۹۷۶ء۔ یاد رہے کہ جن انجیلوں کو کلیسا نے ضبط کیا اور چھپائے جانے کا اہتمام کیا ان میں سے بارنا باس کی واحد انجیل ہے جو پھر دنیا میں جلوہ گر ہو چکی ہے اور صداقت کا اعلان کر چکی ہے۔

جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب - لاہور

معدن المعانی کی تاریخی

اور

دینی اہمیت

مخدوم شرف الدین بن شیخ یحییٰ منیریؒ کا شمار ان مشاہیر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جنہوں نے بر عظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ و ثقافت میں اپنی سیرت و کردار کے اعلیٰ نقوش چھوڑے ہیں۔
مخدوم صاحب کے مریدوں نے ان کے ملفوظات کے متعدد مجموعے مرتب کئے ہیں۔ اس وقت ان کے ملفوظات کا مجموعہ معدن المعانی مرتبہ زین بدر عربی میرے پیش نظر ہے یہ کتاب مطبع اشرف الاخبار بہار شریف میں ۱۸۸۴ء میں چھپی تھی لیکن اب اس کے مطبوعہ نسخے کمیاب ہو گئے ہیں۔
گزشتہ سال بھارت کے سفر میں خدابخش اور نیٹل سیکر لائبریری بانی پور (پٹنہ) میں اس درناپاب کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اب میں اس کتاب کا حاصل مطالعہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

صاحب ملفوظات صاحب ملفوظات کا اصل نام احمد تقی لکھنوی علمی و دینی حلقوں میں ان کی شہرت اپنے لقب مخدوم شرف الدین سے ہے۔ ان کے والد بزرگوار شیخ یحییٰ فیر کے رہنے والے تھے۔
مخدوم صاحب کا شجرہ نسب آنحضرتؐ کے تایا اور کفیل زبیر بن عبدالمطلب سے جا ملتا ہے۔ ان کے پردادا مولانا محمد تاج فقیہہ اخیل (فلسطین) سے ترک سکونت کر منیر آباد سے۔ ان کی سعی و کوشش سے اس علاقے

لے ابو الحسن علی ندوی۔ تاریخ دعوت و عزیمت مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۳ء رجب ۱۳۸۳ھ، اخیل کو جبرون بھی کہتے ہیں۔ پہلے یہ اردن میں تھا ۱۹۶۶ء میں اسرائیل نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اخیل میں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے مزارات ہیں۔

میں اسلام کی بہت اشداعت ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد مولانا محمد تاج فقیہہ اپنے اہل خانہ کو منیر چھوڑ کر اپنے آبائی وطن کی طرف لوٹ گئے۔

مخدوم صاحب کے نانا حضرت شہاب الدین جگجوٹ کا شجر کی سکونت ترک کر کے بہار چلے آئے اور پٹنہ کے قریب جھٹلی میں مقیم ہو گئے۔ ان کے دونوں اسول، مخدوم شرف الدین اور شیخ احمد چرم پوش نے دینی اور روحانی حلقوں میں بڑا نام پایا ہے۔

مخدوم شرف الدین ۶۶۰ھ تا ۱۲۶۳ھ میں شعبان کے آخری جمعہ منیر میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم منیر میں ہوئی۔ اور یہاں انہوں نے متوسطات تک نصابی کتب کا مطالعہ کیا۔

ایک بار برعظیم پاک و ہند کے نامور عالم شرف الدین ابوتماہ دہلی سے سناڑ گاؤں جلتے ہوئے منیر سے گذرے۔ مخدوم صاحب ان کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے والد سے اجازت لے کر اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر ان کے ساتھ سناڑ گاؤں چلے گئے۔

مولانا شرف الدین ابوتماہ کی ٹٹائی میں انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ استاد نے ان کی استعداد اور خانمانی شرافت دیکھ کر اپنی بیٹی سے ان کا نکاح کر دیا۔ سناڑ گاؤں میں قیام کے دوران میں ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ذکی الدین تجویز ہوا۔

مخدوم صاحب اپنے والد کی علالت کے پیش نظر منیر واپس آئے اور ۱۲۹۱ھ کو شیخ یحییٰ فوت ہو گئے۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد انہوں نے اپنا بیٹا اپنی والدہ ماجدہ کے حوالے کرتے ہوئے عرض کیا کہ وہ اسے ان کا بدل سمجھیں اور یہ سمجھ لیں کہ شرف الدین فوت ہو گیا ہے۔

والدہ سے اجازت اور دعائیں لے کر مخدوم صاحب دہلی روانہ ہو گئے۔ دہلی میں حضرت نظام الدین اولیا اور پانی پت میں شرف الدین بوعلی تلندر سے ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ لیکن وہ جیسا مرشد چاہتے تھے، ویسا نہ ملا۔ ایک دن مخدوم صاحب اپنے بھائی کے اصرار پر حضرت نجیب الدین فردوسی کی زیارت کو گئے۔ ان کی قیام گاہ کے قریب جاتے ہی ان کے پسینے چھوٹ گئے۔ اور انہیں اس بات کا احساس ہو گیا کہ انہیں جس مرشد کی مدت سے تلاش تھی وہ مل گیا ہے۔

مخدوم صاحب نے حضرت نجیب الدین فردوسی کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ اور مرشد نے انہیں

شیخ محمد اکرم نے آب کوثر میں ان کی تاریخ ولادت ۵ رجب لائی ۱۲۶۳ھ لکھی ہے۔ شیخ محمد اکرم آب کوثر مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء ص ۶۹۹ حضرت نجیب الدین فردوسی نہرولی میں فردوسیہ پہاڑی پر دفن ہیں۔

اجازت نامہ دے کر بہار کی طرف رخصت کیا۔ حضرت نے چلتے وقت انہیں وصیت کی کہ اگر وہ راستے میں کوئی خبر سنیں تو واپس نہ لوٹیں۔ مخدوم صاحب ابھی دو منزل ہی گئے تھے کہ انہیں اپنے شیخ کی وفات کی اطلاع ملی انہوں نے حسب الحکم اپنا سفر جاری رکھا۔

مخدوم صاحب جب بہیاد ضلع آگرہ کے جنگل سے گزر رہے تھے تو ایک مور کی آواز سن کر ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ انہوں نے اپنا اجازت نامہ اور سامان اپنے بھائی کے سپرد کیا اور خود جنگل میں غائب ہو گئے۔

مخدوم صاحب نے بارہ سال بہیا اور اجگیر کے جنگلوں میں جنگلی پھل اور پتے کھا کر گزارے۔ ایک بار چند لوگوں نے راجگیر کے جنگل میں ان کے مسکن کا کھوج لگایا اور وہ کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ان دنوں جنگل کا راستہ پُر خطر تھا اس لئے مخدوم صاحب نے ان سے کہا کہ وہ ان کے پاس آنے کا خطرہ مول نہ لیا کریں وہ خود جمعہ کے روز شہر آجایا کریں گے یہ

مخدوم صاحب ہر جمعہ کو راجگیر جانے لگے۔ ان کے متقین تھے ان کے آرام کے لئے ایک جگہ چھپر ڈال دیا۔ موصوفت نماز جمعہ سے فراغت کے بعد وہاں دو تین دن کے لئے رک بھی جاتے۔ آہستہ آہستہ لوگوں نے خانقاہ بتائی۔ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مریدوں نے انہیں زبردستی مسند پر بٹھا دیا۔ یہ ۵۷۲۷ھ ۱۱۳۲ء کا واقعہ ہے۔

خانقاہ میں قیام کے بعد انہوں نے عوام کی رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ اور چھپن برس تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مخدوم صاحب ۸۲، ۵۵، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰ سال فوت ہوئے۔ اگلے روز مخدوم شرف جہانگیر سمٹائی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مخدوم صاحب کے مریدوں اور خلفاء کی تعداد کافی ہے۔ ان کے مریدوں نے ان کے ملفوظات کے کئی مجموعے مختلف عنوانات کے تحت مرتب کئے ہیں جن سے اس دور کے رسم و رواج، تہذیب و تمدن، خانقاہی انداز اور عوام کے رجحانات پر روشنی پڑتی ہے۔

زیر نظر مجموعہ ملفوظات جو معدن المعانی کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت کے ایک مرید زین بدر عربی نے ترتیب کیا ہے۔ فاضل مرتب میں کے رہنے والے تھے۔ لیکن ان کی دندگی اپنے شیخ کے آستانے پر ہی گدزی سے

بہیا (Bihya) آگرہ سے مغل سرائے کی طرف جاتے ہوئے آگرہ سے اکیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ای۔ آئی۔ ریلوے اسٹیشن ہے۔ ابو الحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت ج ۳ ص ۱۹۹ سے ایضاً

ما نقد عمر صرف رہ یار کردہ ایم کارے کہ کردہ ایم ہمیں کار کردہ ایم
معدن المعانی کے علاوہ زین بدرعی نے خوان پر نعمت کے عنوان سے بھی مخدوم صاحب کے ملفوظات
کا ایک اور مجموعہ مرتب کیا ہے اسی طرح انہوں نے اپنے مرشد کے مکاتیب بھی جمع کئے ہیں۔
مخدوم صاحب اپنے وقت کے مجدد تھے۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی نے ان کے تجدیدی کارناموں کا
ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا تمام کارنامہ یہی نہیں ہے کہ انہوں نے ہندوستانی باشندوں کو خدا
کا راستہ دکھایا۔ معرفت الہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت و اہمیت دل نشین کی۔ ہزاروں لاکھوں انسانوں
کے دلوں میں عشق الہی اور خدا طلبی کی حرارت پیدا کر دی اور سلوک و معرفت کے اسرار و نکات اور لطیف و
بلند علوم کا اظہار فرمایا بلکہ بعض دوسرے مصاحبین امت اور محققین کی طرح ان کا یہ بھی عظیم و روشن کارنامہ
ہے۔ کہ انہوں نے بروقت دین کی حفاظت کا فرض انجام دیا۔ مسلمانوں کے دین و ایمان کو غالی صوفیوں کی
بے اعتدالیوں، محدین کی تحریفات اور باطنیت و زندقہ کے اثرات سے محفوظ رکھا اور ان مغالطوں کا پردہ
چاک کیا جو بد اعتقاد صوفیوں۔ جاہل مشائخ اور فلسفہ د باطنیت سے متاثر اشراقیہ کی دعوت سے ہندوستان
جیسے دور افتادہ ملک میں جہاں اسلام بہت چکر کاٹ کر پہنچا تھا اور جہاں کتاب و سنت سے براہ راست
واقفیت پیدا کرنے کے وسائل شروع سے کمزور اور محدود رہے، سحر کا اثر رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے
مکتوبات میں ان سب عقائد و خیالات پر ضرب کاری لگائی۔ جس کے پردہ میں یہاں الحاد و زندقہ پھیل رہا
تھا۔ اور اسلامی عقائد متزلزل ہو رہے تھے اور اسلام کے عقائد صحیحہ اور اہل سنت کے مسلک کی نہایت
موثر و طاقت ور و کالت اور تبلیغ کی راہ

صدیق اکبر کا خواب | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ شام گئے ہوئے تھے وہاں انہوں
نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے چاند اتر کر ان کی گود میں آ پڑا ہے۔ انہوں نے کسی معبر سے اس خواب کی
تعبیر پوچھی تو اس نے کہا کہ نبی آخر الزمانؐ مبعوث ہو چکے ہیں اور ان پر سب سے پہلے موصوف ایمان لائیں گے۔
وعدہ خداوندی ہنوز ایفا نہیں ہوا | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آں حضرتؐ سے یہ وعدہ
کیا تھا کہ مشرق سے مغرب تک تمام عالم میں اسلام پھیل جائے گا۔ یہ وعدہ ہنوز پورا نہیں ہوا ہے۔

لے سید ابوالحسن علی ندوی تاریخ دعوت و عزیمت مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۳ء ج ۳ ص ۲۹۸ لے زین بدرعی۔ معدن المعانی
مطبوعہ بہار شریف ۱۸۸۷ء ص ۱۳ لے ایضاً ص ۱۵

علماء سُوَر کی صحیح تعریف | مخدوم صاحب نے ایک مجلس میں علماء سُوَر کے بارے میں فرمایا :-

علماء سُوَر ایشیاں را گویند کہ روئے ایشیاں
علماء سُوَر انہیں کہتے ہیں جن کا رخ دنیا کی طرف
ہو اور پشت آخرت کی جانب ہو وہ تحصیل علم صرف دنیا
کے لئے کرتے ہیں آخرت کے لئے نہیں۔

حق تلاوت | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ حق تلاوت سے یہ مراد ہے :

در خواندن قرآن زبان و دل شریک باشند
قرآن پڑھنے میں زبان اور دل دونوں شامل ہوں۔
زبان کا کام حروف کی صحیح ادائیگی اور عقل کا کام
مطلب سمجھنا اور تفسیر کرنا ہے۔ دل کا کام اسے
نصیحت پکڑنا، برے کاموں سے بچنا اور تعمیل احکام
ہے۔ حق تلاوت اسے ہی کہتے ہیں۔

فقاری زین الدین | سلطان شمس الدین حاکم بنگالہ مولانا زین الدین کی قرأت کا بڑا معتقد تھا۔ یوں تو
کئی امام تھے اور وہ جہاں ہوتا وہیں کا امام نماز پڑھاتا۔ لیکن اگر وہاں زین الدین موجود ہوتے تو ان کی
جوگی میں کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ امامت کرتا۔

اصول اجتہاد | مخدوم صاحب اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو اس
ان قرآن میں تلاش کریں۔ اگر قرآن میں اس کا حل نہ ملے تو پھر سنت کی طرف رجوع کریں اور اگر وہاں بھی
نہ ملے تو پھر اجماع پر نظر ڈالیں اگر اجماع میں بھی اس مسئلہ کا حل نظر نہ آئے تو پھر اجتہاد کریں۔
مرید کے لئے ہدایات | مرید کے قلب پر اگر کوئی واردات گذرے تو وہ سب سے پہلے اپنے پیر سے
کا ذکر کرے۔ اگر پیر موجود نہ ہو تو جو شخص اس کی جگہ سجادہ پر بیٹھا ہو اور ان امور سے واقفیت رکھتا
ہو اسے ذکر کرے۔ اسے چاہئے کہ کسی اجنبی سے اپنی واردات قلبی بیان نہ کرے اور قرآن کی طرف رجوع
کے وہاں سے پتہ چل جائے گا کہ اس کا کشف رحمانی ہے یا شیطانی۔ اگر قرآن سے پتہ نہ چلے تو پھر سنت
رجوع کرے۔ یہی معیار حق ہے۔

تدوین قرآن | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کی تدوین اس ترتیب کے ساتھ ہے جس ترتیب سے
یہ محفوظ پر مرقوم ہے۔ اس کی ترتیب نزول کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ جیسا موقع ہوتا تھا ویسی ہی

آیات نازل ہو جاتی تھیں لہ
مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی قرآن کی ترتیب
درست ہو گئی تھی لہ

حضرت اپنے اجباب کو یہ مشورہ دیا کرتے تھے کہ قرآن حکیم کے بوسیدہ اوراق دفن کر دینے چاہئیں۔
صحابہ کرام | مخدوم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ صحابہ کرام پر زبان دراز کرنی روا نہیں ہے۔ اسی طرح
یادِ رحمت کو ان کی طرف منسوب کرنا بھی جائز نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ معصوم عن الخطا نہیں تھے۔
مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام علم و فضل، زہد و ورع، توکل اور ہر لحاظ سے تمام مسلمانوں
افضل ہیں۔ ان میں یہ صفات نبی کریم کی نظر سے پیدا ہو گئی تھیں لہ

معراج النبوی اور عقیدہ اہل سنت | مخدوم صاحب نے ایک مجلس میں واقعہ معراج پر گفتگو فرماتے ہوئے
کہا کہ آل حضرت کو معراج بیداری کے عالم میں جسم کے ساتھ ہوا تھا۔ لیکن معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔
بعض لوگوں کے نزدیک واقعہ معراج کا منکر کافر ہے۔ بعض کے نزدیک وہ کافر نہیں۔ لیکن مبتدع ضرور
حق بات یہ ہے کہ مسجد الحرام سے بیت المقدس تک کے معراج کا منکر کافر ہے۔ کیونکہ یہ قرآن سے ثابت ہے۔
بیت المقدس سے آسمان تک معراج کے منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ معراج کے اس حصہ کا ذکر صرف
حدیثوں میں آیا ہے۔ اور احاد کا منکر کافر نہیں ہوتا لہ

اسی مجلس میں جامع ملفوظات مولانا زین بدر نے سوال کیا: کیا حضور نے خدا کو دیکھا تھا؟ اس
مخدوم صاحب نے فرمایا کہ طبقہ صوفیہ اور ان کے بڑے بزرگوں کا یہ کہنا ہے کہ حضور نے خدا کو نہیں دیکھا۔
ہی کوئی شخص اس دنیا میں خدا کو دیکھ سکتا ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔
من زعم ان محمداً رأى ربه فقد كذب۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ محمد مصطفیٰ نے اپنے رب کو دیکھا
وہ جھوٹ بولتا ہے۔

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کی اکثریت کا عقیدہ حضرت عائشہ کے قول پر ہے۔ جو لوگ
ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ اور اسباب سے یہ روایت کرتے ہیں کہ آل حضرت نے خدا کو دیکھا تھا، وہ کہتے ہیں
حضور کے لئے خاص تھا۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ کے لئے خلت حضرت موسیٰؑ کے لئے ہم کلامی۔ اور حضورؐ کے
روایت۔ لیکن اہل سنت کے لئے اکثریت اس عقیدہ کے خلاف ہے۔ لیکن اس عقیدہ کے حامل کو کافر یا بدعتی نہیں
کیونکہ یہ خطا ہے لہ

عقبہ اہل سنت | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق میں افضل ترین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے بعد انبیاء کرام کا مقام ہے۔ انبیاء کرام کے بعد بنی نوع انسان میں امت محمدیہ سب سے افضل ہے اور امت محمدیہ میں سب سے اونچا درجہ ابوبکر صدیق کا ہے۔ حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت عمر فاروق کا مقام ہے۔ اور ان کے بعد حضرت عثمان کا درجہ ہے۔ حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کا رتبہ ہے۔ یہ مراتب بیان کرنے کے بعد مخدوم صاحب نے فرمایا۔ امیں است مذہب اہل سنت و جماعت۔

مخدوم صاحب کے شجرہ طریقت میں حضرت علی رضا موسیٰ کاظم جعفر صادق محمد باقر زین العابدین حضرت حسین اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے نام آتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ تفضیل کے قائل نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ | مخدوم صاحب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کو "فیقتہ امت" کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ان سے آدھا دین نہیں ملا ہے۔ وجوب غسل کے مسئلہ پر ان کا فتویٰ تمام صحابہ نے تسلیم کیا ہے۔ ان کے اس فتویٰ کے بعد حضرت عمر فاروق فرمایا کرتے تھے کہ اب اگر کوئی وجوب غسل کا قائل نہ ہوگا تو وہ اسے سزا دیں گے۔

عاشق رسول کی وصیت | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ نے اپنے مرنے سے پہلے یہ وصیت کی کہ اسے گنبد خضرا سے باہر آنے سے روک دیا جائے اور شیخین کریمین کے قدموں میں دفن کریں اور اس کی قبر پر جو کتبہ لگائیں اس پر یہ عبارت کندہ کریں۔

ربعم کلہم باسط ذراعیہ بالوصید

امامت کی اجرت | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ اب یہ رواج ہو گیا ہے کہ ائمہ مساجد تنخواہ لینے لگے ہیں اور وہ ہر راہ ایک مقررہ رقم اجرت کے طور پر وصول کرتے ہیں۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ "امامت باجر معین مکروہ مست" ہے۔

انگوٹھے چومنے کا مسئلہ | کسی شخص نے افان میں حضور نبی کریم کا نام نامی سن کر انگوٹھے چومنے کے بارے میں سوال کیا تو مخدوم صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے کسی کتاب میں اس کے جواز کے بارے میں نہیں پڑھا اور جو کتابیں ان کے پاس ہیں ان میں بھی کہیں اس کا ذکر نہیں آیا۔

۱۰۷۹ ہجری۔ معدن المعانی مطبوعہ بہار شریعتی ص ۸۲، ۸۳ ۱۹۵۵ء ایضاً ص ۸۷ ۱۰۷۹ ہجری سورہ کہف میں اس مضمون کی جو ایت ہے وہ یوں ہے: وکلیم باسط ذراعیہ بالوصید ۱۰۷۹ ہجری ایضاً ص ۱۱۹

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا ضیاء الدین سنائی محدث بھی تھے اور مفسر بھی۔ ایک روز ان کے وعظ میں مخدوم صاحب بھی شریک تھے۔ اتفاق سے کسی شخص نے ان سے انگوٹھے چومنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ کتابوں میں تو یہ مسئلہ کہیں نظر نہیں آیا۔

نماز میں صحیح تلفظ | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا قیام الدین نے ایک رسالہ لکھا ہے اور اس پر مرقوم ہے کہ جو شخص سمع اللہ لمن حمدہ میں ہ نہ نہیں پڑھتا اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔
طالبوں کی اقسام | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ طالبوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ طالب دنیا۔ وہ دنیا کا چاکر ہو کر رہ جاتا ہے۔

۲۔ طالب عقبی۔ وہ عقبی کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔

۳۔ طالب مولیٰ۔ دنیا اور عقبی دونوں اس کے چاکر ہو جاتے ہیں۔

ویدانت کا اثر | ایک روز مخدوم صاحب اپنے مریدوں کے جلو میں تشریف فرما تھے کہ ان کے فرزند آکر یہ اطلاع دی کہ ایک شخص سر کے بل کھڑا تلاوت کر رہا ہے۔ مخدوم صاحب نے فرمایا کہ اس طریق کو کابھہ کہتے ہیں اور یہ جوگیوں کا طریقہ ہے شیخ تمیمی ایک بزرگ ہو گزرے ہیں وہ رات کو سر کے بل کھڑے ہو کر قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔

اللہ کا ذکر سپر ہے | مخدوم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا ذکر مریدوں کے لئے تلوار کا حکم رکھتا۔ جس سے وہ اپنے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور اپنے اوپر نازل ہونے والی آفات سے بچتے ہیں۔

مرید کی صفات | حضرت فرماتے ہیں کہ مرید سے کہتے ہیں جو قولاً، فعلاً، قلباً اور قابلاً اپنے پیر کی متابعت قولاً سے مراد یہ ہے کہ وہ دین کے اصول و فروع میں اپنے پیر کی مطابعت کرے۔

فعلاً کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی بھی دینی یا دنیاوی کام اپنے پیر کے حکم کے بغیر نہ کرے۔

قلباً سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ وہ اپنے دل کو تمام مذموم صفات سے پاک کرے جیسا کہ اس کے پیر نے کیا۔

قابلاً سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے حواس و جوارح کو معصیت سے پاک رکھے جیسا کہ اس کے پیر نے کیا۔

جو شخص ان چار اصولوں پر عمل کرتا ہے اسے مرید کہتے ہیں۔

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ کئی مرید ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے پیر کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتے ہیں کہ کچھ بنانے یا سکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے پیر کو جو کام کرتے دیکھتے ہیں اس پر عامل ہو جاتے ہیں۔

ایسے مرید کو چاہئے کہ وہ ہر وقت مشغول رہے اگر وہ نقل ادا کرتے کرتے تھک جائے تو بیٹھ کر تلاوت شروع کر دے اور اگر تلاوت سے بھی جی اکتا جائے تو ذکر شروع کر دے۔ مرید کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تزکیہ و تصفیہ سے قبل کوئی عمل اختیار نہ کرے۔

صوفیوں میں بیعت کی ابتداء | حضرت فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں خلق، قصر اور بیعت اس طرح سے نہیں ہوتی تھی جیسی اب ہوتی ہے۔ یہ طریقہ حضرت جنید بغدادی کی اختراع ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کسی کو مرید کرتے وقت مرتوجہ طریقہ پر بیعت نہیں کرتے تھے وہ مرید کے سر پر ٹوپی اوڑھائے تھے اور اسے ہی کافی سمجھتے تھے۔

حضرت رکن عالم کا امتحان | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت رکن عالم پہلی بار دہلی تشریف لائے تو علما نے ان کی قابلیت جانچنے کے لئے بزودی سے پانچ مشکل سوال دریافت کئے۔ حضرت نے ان کا تسلی بخش جواب دیا اور رونے لگے۔ حاضرین نے رونے کا سبب پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ زمانہ طالب علمی میں جب وہ بزودی پڑھ رہے تھے تو استاد نے ان ہی پانچ مسائل پر تقریر کی لیکن موصوف کے پتے کچھ نہ پڑا۔ حضرت نے اہر ادھر دیکھا تو ان کے والد بزرگوار حضرت صدر الدین عارف نے ان کے پیچھے کھڑے تھے۔ حضرت صدر الدین نے انہیں اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور ایک جگہ لے جا کر وہ مسائل انہیں اچھی طرح سمجھا دئے۔ اس کے بعد حضرت عارف فرماتے لگے کہ وہ ان مسائل کو اچھی طرح یاد کر لیں۔ ایک روز ان کی ضرورت پڑے گی۔ حضرت رکن عالم فرماتے ہیں کہ وہ مدت سے اس موقع کے منتظر تھے، تیس برس انتظار کے بعد یہ موقع ہاتھ آیا ہے۔

عصمتِ انبیاء | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام اپنی بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد دوسرے تمام لوگوں سے عارف ہوتے ہیں۔

صحبتِ صالح | مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ صالح لوگوں کے ساتھ صحبت عبادت میں مشغول رہنے سے افضل ہے۔
حفظانِ صحت | مخدوم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ٹوٹی ہوئی کنگھی سے بال بنانے سے غربت بڑھتی ہے۔
 آپ اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ دو آدمی ایک کنگھی استعمال نہ کریں۔ اور ایک کپڑے سے ہاتھ منہ نہ پونچھیں۔
سیروسیاحت کے فوائد | زین بدر عربی اس پر شہادہ ہیں کہ دہلی تک سے لوگ مخدوم صاحب کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ سیروسیاحت کے بارے میں حضرت اپنے متقیدین سے کہا کرتے تھے۔ در سفر فوائد و معانی بسیار است۔

اشاعت اسلام | ایک دن ایک درویش نے مخدوم صاحب سے کہا کہ ان کی برکت سے یہاں (بہارین اسلام کا غلبہ ہو جائے گا۔ اور مسلمان قوت پکڑ لیں گے۔ حضرت نے فرمایا ہر چہ از زبان درویشان رو و ہچناں شود

مخدوم صاحب کا ذوق مطالعہ | ملفوظات میں تذکرۃ الاولیاء۔ ترغیب الصلوٰۃ۔ شرح تفریق۔
لوامع قاضی حمید الدین ناکوری۔ ادب المریدین۔ وصیت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی۔ مختصر عقیدہ
نسفی۔ قوت القلوب۔ عوارف المعارف، تمہیدات عین القضاۃ۔ کنز المسائل۔ فوائد الفوائد۔ روضۃ العلماء
احیاء العلوم۔ مکتوبات عین القضاۃ۔ روح الارواح اور تفسیر امام زادہ کا بار بار ذکر آتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ یہ کتابیں مخدوم صاحب کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔ اور بہار جیسے دور افتادہ علاقے میں موجود تھیں۔
اسی طرح ملفوظات میں جا بجا اشعار ملتے ہیں۔ جن سے مخدوم صاحب کے ادبی ذوق کا پتہ چلتا ہے
معدن المعانی کی ابتدا میں مخدوم صاحب نے جس انداز سے صفات باری تعالیٰ پر گفتگو فرمائی ہے یہ انہی کا حصہ

لے معدن المعانی ص ۴۶۲

بقیہ از ص ۴۴ مذاہب اہل کتاب

جن کے بڑے دلائل اور مسکت جوابات مصنف نے دیے ہیں اور حوالے کبھی عیسائی مصنفین اور کتب کے
ہیں۔ چنانچہ یہ حصہ خاصا دلچسپ اور معلومات افزا ٹھہرتا ہے کہ اس میں کتنی زبرد اٹھائے گئے نکات کی وضاحت
ہو جاتی ہے۔ اگر انصاف اور معقولیت سے غور کیا جائے تو مزید انگشت نمائی اور نکتہ چینی کی گنجائش
باقی نہیں رہتی۔

کتاب کے آخر میں "اشارہ" اور "کتابیات" کی شمولیت نے اس کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔
بلاشبہ یہ کتاب مطالعہ ادیان کے شائقین کے لئے ایک گراں قدر تحفے کی حیثیت رکھتی ہے
امید واثق ہے کہ یہ تحفہ اس سمت سفر کرنے والوں کے لئے نہایت اہم اور روشن سنگ میل ثابت ہو گا
بے جا غم اور تعصب کا تو کوئی علاج نہیں۔ خلوص اور نیک نیتی سے تلاش حق مقصود ہو تو کئی دروازے
کھلے بھی ملیں گے جو کشادہ دل اور پیش رفت کی راہ دکھائیں گے۔ سچائی کے امیدوار اور طلب کار کو
کتاب کے اوراق میں اپنے دل کی دھڑکنوں کی بازگشت سنائی دے گی اور حقیقت کی منزل کا مسافر
پکار اٹھے گا کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جاننا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

سندھیت وانوں کی پسند حب الہ ڈیئم سُدف شریٹنگ

ہیوٹ و دریا آب لاش اینڈ ویر ڈیئم
شمار رنگوں میں لیجئے۔
سُدف شریٹنگ بہت سے بچے رنگوں میں
مشتیاب ہے۔
لہر ول جوانوں کا ذوقی زیبائش
بج جیکے دم سے رونق اور چہل پہل ہے



اعلیٰ بناؤٹ
دل کشن و صنع
دل فیث زنگ کا
حسین امتزاج
دنیا کے مشہور

SANFORIZED

REGISTERED TRADE MARK

سینفورائزڈ پارچہ جاتا
سکرٹنے سے محفوظ

۲۰ اینس سے ۸۰ اینس کی سوٹ کی

اعلیٰ بناؤٹ

گل احمد سکیسٹائل ملز لمیٹڈ
ستار چیمبرز
۲۹ - ویسٹ وارف کراچی

ٹیلیفون
۲۲۸۶۰۵ - ۲۲۳۹۹۲
۲۲۵۵۳۹



مکاتپہ :- آباد میلز

ڈاکٹر وحید الرحمن شاہ
صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج پٹا ور

مَحَرَزُ التَّفَاسِیْرِ (پشتو)

مولانا محمد الیاس کوچیانے

ماسٹر مولانا محمد الیاس بن مولانا محمد یوب بن مولانا محمد طیب ضلع پٹا ور کے موضع کوچیان میں تقریباً ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ اباؤ اجداد کا خاندانی تعلق قندھار (افغانستان) سے ہے۔ اور اخون زادگان کے نام سے مشہور ہیں۔ پے کے والد بزرگوار سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں تیراہ کواٹ کے مشہور روحانی پیشوا مولانا احمد جی صاحب المعروف صابہ بابائی شہید (متوفی ۱۲۶۰ھ ۱۸۶۷ء) کے مرید و خلیفہ حجاز تھے۔

مولانا محمد الیاس نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ علم نحو کی کتابیں مولانا محمد یوب جان ہزاروی مقیم پٹا ور سے ۱۸ ماہ میں پڑھیں۔ اور مابقیہ علوم کی تکمیل مجاہد کبیر سید احمد شہید بریلوی (متوفی ۱۲۶۲ھ ۱۸۳۱ء) کے رفیق جہاد مولانا بخش شہید (متوفی ۱۲۶۲ھ ۱۸۲۶ء) کے عالم و فاضل صاحب زادے مولانا عید الرب درمبھنگوی (م ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۴ء) سے کی۔ دورہ حدیث کے لئے ہندوستان چلے گئے۔ جہاں آپ نے مولانا سید محمد نذیر حسین بن سید جواد علی محدث دہلوی (توفی ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء) سے صحاح کی سند حاصل کی۔

مولانا محمد الیاس نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ دوران طالب علمی اور بعد فراغت کے جاری رکھا۔ آپ چاروں زبانوں عربی، فارسی، اردو اور پشتو میں روانی سے لکھ سکتے تھے۔

ہندوستان میں مولوی عین القضاۃ لکھنوی (متوفی ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ء) نے آپ کو اپنے مدرسہ عین القضاۃ لکھنؤ مدرس مقرر کیا۔ اس دوران آپ نے مطبع مجتہبی سے شائع شدہ اسلامی کتب کی تصحیح کی اور ان پر اضافے کئے۔ مولانا صاحب نے اپنی عمر کا آخری حصہ آبائی گاؤں کوچیان میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزارا۔ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں تقریباً نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور گاؤں کے قریبی مقبرہ چہل گزی بابا میں دفن کئے۔

آپ سلسلہ نقشبندیہ میں والد ماجد کے شیخ صحبت جناب استاذ صاحب مرحوم کو باقی کے پیرو تھے۔ آپ کے شاگردوں میں مولانا گل فقیر احمد صاحب پشاور (متوفی ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء) اور مولانا محمد جان صاحب المعروف غلجی میاں صاحب مرنہرست ہیں۔

”مخزن التفاسیر“ مولانا صاحب کی تصانیف میں سے ایک معرکہ الارار تصنیف ہے جس کو آپ نے دوران طالب علمی لکھا ہے۔ اور ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں مطبع خادم الاسلام دہلی سے چھپوایا ہے۔ یہ مطبوعہ ۵۶۱ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ میں ۱۳ سطر ہیں۔

مخزن التفاسیر کو صوبہ سرحد کے مطبوعہ (مکمل) تفسیری سرمایہ میں پہلا اور زمانے کے لحاظ سے پشتو تفاسیر میں تفسیر تیسرے کے بعد دوسرا مقام حاصل ہے۔

مخزن التفاسیر کے متعلق حافظ محمد ادریس (متوفی ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء) نے اپنے ایک مضمون پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ میں جامع الفاظ میں مندرجہ ذیل تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

”تفسیر تیسرے کے بعد جس برگوار نے قرآن مجید کی خدمت کے لئے قلم اٹھایا وہ مولانا محمد ایاس پشاور کو چھپائی تھے۔ کوچیاں پشاور سے شمال کی طرف ورسک جانے والی سڑک کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس فاضل محقق نے لکھا کہ تفسیر تیسرے میں ترجمہ اور تفسیر دونوں خلط ملط ہو گئے ہیں۔ اور پڑھنے والا ٹھیک طرح

۱۔ تذکرہ علمائے ہند مولوی رحمان علی ص ۵۹۵۔ ب۔ روحانی رابطہ از عبدالحلیم اثر ص ۹۷۸۔ ج۔ زبانی یادداشتیں۔
 قلمی حالات از مولانا عبدالحق بن مولانا محمد ایاس کوچیاں نقشبندی نژادی ص ۹۲۔ ک۔ موج کوثر شیخ محمد ابرار ایم اے ص ۱۲۱۔
 ۲۸۔ ل۔ سب رنگ ڈائجسٹ جبرلائی الکت۔ ۱۹۷۱ء ص ۹۲۔ م۔ تذکرہ صوفیائے سرحد۔ اعجاز الحق قدوسی ص ۳۰۰، ۲۹۹۔
 ن۔ تقویم تاریخی۔ عبدالقدوس ہاشمی ص ۳۳۶۔ و۔ بیاض سید محمد امیر شاہ قادری پشاور ص ۵۰۔ بیاض قاضی محمد علی عربی مدرس گوہر
 باقی سکول ۲ پشاور صدر۔ ق۔ تراجم علمائے حدیث ہند از ابو یحییٰ امام خان نوشہری ص ۱۳۳۔
 ۳۔ زیر نظر تفسیر کے علاوہ مولانا محمد ایاس صاحب نے ۱۔ رسالہ تصوف مسیحی بہ سیر السلوک الی ملک الملوک کا بزبان فارسی اور
 پشتو ترجمہ۔ ۲۔ حرب البحر کا بزبان فارسی و پشتو ترجمہ۔ ۳۔ حاشیہ بحر العلوم۔ ۴۔ تصحیح و اضافہ حاشیہ مشکوٰۃ شریف۔ ۵۔ حاشیہ مراح
 اور ۶۔ شرح مائتہ عال وغیرہ تصانیف بھی کی ہیں جن میں اکثر طبع ہو چکی ہیں ۷۔ تفسیر سیر پشتو ادب میں سب سے پہلی مستند اور ضخیم
 کتاب ہے جو مولانا مراد علی ولد شیخ عبدالرحمان ساکن کامہ۔ جلال آباد افغانستان کی تصنیف ہے۔ جلد اول آپ نے ۱۳۸۲ھ
 میں لکھنی شروع کی اور ۱۳۸۷ھ میں مکمل کر دی۔ جلد دوم جلد اول کے بارہ سال بعد ۱۳۹۶ھ میں لکھی۔ ترجمہ نیم لفظی نیم بحالی
 کا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ ساتھ دوران تفسیر بھی کی ہے۔ صوبہ سرحد کے مردوں اور عورتوں میں یکساں مقبول و معروف ہے
 ۸۔ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر جلد ص ۶۶۱، ۶۶۲

سے یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ کون سا لفظ کس لفظ کا ترجمہ ہے اس لئے کہ انہوں نے مخزن التفاسیر کے نام سے ایک تفسیر لکھی۔ اس میں لفظی ترجمہ عربی عبارت کے نیچے لکھنا اور تفسیری مسائل اور پر حاشیہ میں درج کئے۔ ترجمہ تحت اللفظ کیا۔ اور عربی اور فارسی کے ثقیل الفاظ کم کئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ عربی سے شدھ بدھ رکھنے والے لوگ بہ آسانی یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ پشتو کا کون سا لفظ عربی کے کس لفظ کے معنی دے رہا ہے۔ مگر ہمارے ہاں لفظی ترجمہ میں بڑی مشکل یہ آپڑی ہے کہ یہ حضرات حروف عاملہ کے بھی ہو یہ وہی معنی لکھتے ہیں جو اصل عربی میں مراد ہوتے ہیں۔ حالاں کہ ہر زبان کے صلی خصوص ہوتے ہیں۔ اور ایک زبان کا صلیہ اکثر دوسری زبان میں کام نہیں دیتا۔ ایک نوع کی زبانوں تو شاید یہ سلسلہ فقور ابہت جل بھی سکے لیکن جب سامی زبان کا ترجمہ آریائی زبان میں کیا جائے اور اس میں حروف کے بھی اپنے مخصوص معنی رہنے دئے جائیں۔ تو ترجمہ "گلابی" ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور مطلب غت ربود ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ حضرات لفظی ترجمے میں عربی کی تبعیث میں مضاف کو مضاف الیہ پر اور موصوف کو صفت پر مقدم رکھتے ہیں۔ اس طرح قرآن مجید کی حلاوت بھی ختم ہو جاتی ہے اور پڑھنے والے کے پتے بھی کچھ نہیں پڑتا۔ ایک ایسے ترجمے کو صرف ثواب اور تبرک سمجھ کر پڑھ تو لیتے ہیں۔ مگر فہم کی لازوال دولت سے محروم رہتے ہیں۔

حافظ صاحب آگے لکھتے ہیں کہ مجھے افسوس کے ساتھ کہتا پڑتا ہے کہ مخزن التفاسیر عوام میں وہ مقام حاصل کر سکی جو اس کا جائز حق تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ مصنف نے بجائے مقامی ناشرین کے دہلی کے مطبع خادم الاسلام سے معاہدہ کیا اور ۱۳۱۳ھ میں یہ کتاب وہاں چھپ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی ناشرین نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ اور کتاب کے اکثر نسخے دہلی ہی میں رہ گئے۔ اس کے علاوہ ایک افتاد یہ پڑ گئی کہ کاتب کا رسم الخط ناقص تھا اس نے کئی جگہ حروف کا کام حرکات سے لیا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ حرکات ثلثہ حروف علت کی مخففت شکلیں ہیں اس لئے جگہ جگہ مخفیف کے اس کلمہ کے کو بے دریغ چلایا جس سے کتاب کی قیمت بہت گھٹ گئی۔

حافظ صاحب اپنے تجربے کی بنا پر لکھتے ہیں کہ

دوسری زبانوں کے مقابلے میں پشتو میں ایک تکلیف یہ ہے کہ اس کا رسم الخط ابھی تک متعین نہیں ہو سکا۔ مصنف ہمیشہ کاتب کے رسم و کرم پر رہتا ہے۔ اگر کاتب ماہر نہ ہو تو مصنف کی محنت پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور کتاب اعلیٰ بالکل بگاڑ جاتا ہے۔ اس عذاب کو کچھ وہی لوگ بہتر جانتے ہیں۔ جنہیں میری طرح ایک کتاب لکھوانے کے لئے پانچ پانچ کاتب بدلنے پڑے ہوں۔

لیکن مخزن التفاسیر کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر لکھتے وقت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۲ء) شاہ عبدالقادر (متوفی ۱۲۳۰ھ ۱۸۱۷ء) اور شاہ رفیع الدین (متوفی ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء) کے قرآن مجید کے تراجم مولانا محمد الیاس کے پیش نظر رہے ہیں۔ ان تراجم میں سے جہاں جس لفظ کو مناسب اور

موزوں سمجھا۔ وہاں تحت اللفظ پشتو کے ترجمہ میں استعمال کیا۔ اور جس لفظ کا روزمرہ کے استعمال کے مطابق موزوں لفظ پشتو میں مستعمل نظر آیا اپنی کو تحت اللفظ ترجمہ میں پیش کیا۔ مثلاً

۱۔ پارہ ۲۵۔ رکوع ۲۔ آیت ۹ وَمَا خَلَقْتُكُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَعَلُّكُمْ إِلَى اللَّهِ كَاتِرْجَمہ شاہ ولی اللہ صاحب کا قرآن مجید سے ترجمہ کے ص ۶۴۳ پر یوں ہے۔

”و آنچه اختلاف کردید در آن ہر چہ باشد پس فیصلہ کردن او حوالہ بخداست“

یعنی اور جس چیز میں تم نے اختلاف کیا تو اس کا فیصلہ خدا کے حوالے ہے۔

اس آیت کریمہ کا ترجمہ مخزن التفاسیر کے ص ۲۴۴ پر یہ نقل کیا ہے۔

”او ہفہ چہ اختلاف و کمردنا شو بہ کنبس یعنی یوشی کنین نو فیصلہ دھفے د خدا تعالیٰ ان حوالہ ترجمہ۔ اور جس چیز میں تم نے اختلاف کیا تو اس کا فیصلہ خدا کے حوالے ہے۔“

۲۔ پارہ ۱۷۔ سورہ انبیاء۔ رکوع ۶ آیت ۹۴۔ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كَاتِرْجَمہ حضرت شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ء) اور شیخ الہند مولانا محمود حسن (متوفی ۱۹۳۹ء ۱۹۲۰ء) نے یوں کیا ہے۔

”اور ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا۔ لوگوں نے آپس میں اپنا کام“

اسی ترجمہ کو مخزن التفاسیر نے ص ۲۹۹ پر یہ کیا ہے

”او تیکمری تیکمری کمرہ ددے داکار ددین خیل پہ مینچ خیل کنبس“

ترجمہ۔ انہوں نے دین کا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ لیا۔

۳۔ سورہ الکواثر میں ”الْأَبْشَرُ“ کا ترجمہ شاہ ولی اللہ نے ”دم بریدہ“ شاہ رفیع الدین نے ”بے نسل“ شاہ

عبدالقادر اور شیخ الہند نے ”پھچھا کٹا“ کیا ہے۔ مولانا محمد الیاس نے مخزن التفاسیر کے ص ۵۶۰ پر ”میرا ن

پات“ یعنی پشتو محاورے میں لا ولد، لا وارث کیا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کی آخری سورت ”الناس“ کے تراجم

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

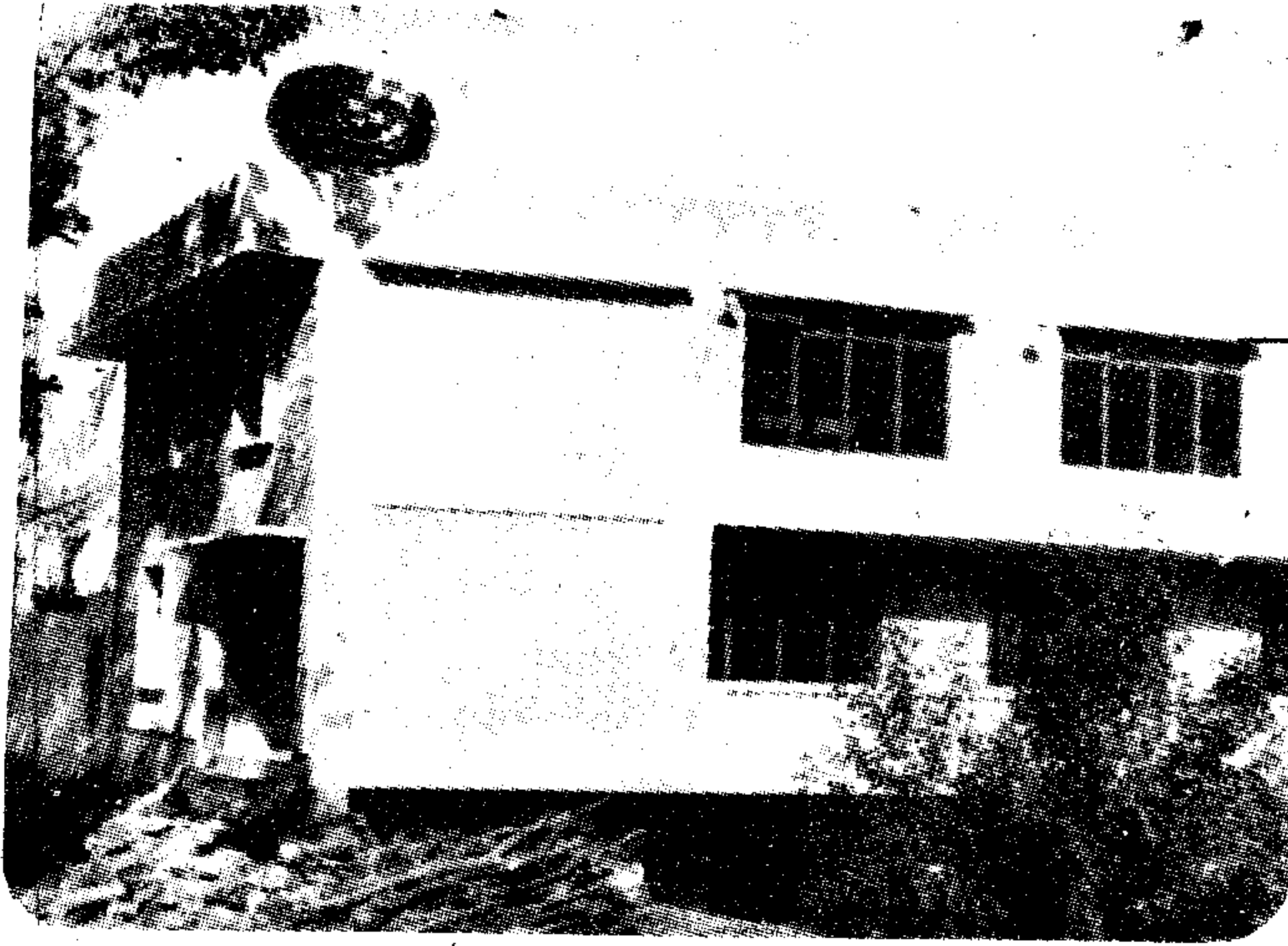
”بگو پناہ میگیرم یہ پیر و رو کا مردمان بادشاہ مردمان معبود مردمان از شر و سوسہ اندازندہ چول، ذکر گف

شد باز پس زندہ آنکہ و سوسہ مے آفتگر در سینہ مانے مردمان از جنس جن باشد یا از جنس مردمان“

ب۔ شاہ رفیع الدین ابن شاہ ولی اللہ۔

”تو کہہ میں پناہ میں آیا۔ لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے پوجے کی بدی سے اس کی ج

سناکارے اور چھپ جاوے وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دل میں جنوں میں اور آدمیوں میں۔“ شیخ الہند



دارالعلوم حقانیہ

شب و روز

شفیق فاروقی

جلسہ شوریٰ کا سہ ماہی اجلاس | کتب خانہ کے وسیع مال میں جس شوریٰ دارالعلوم کا سالانہ اجلاس زیر صدارت جناب حاجی طاؤس خان صاحب جہانگیر منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن پاک جناب مولانا عبدالحق صاحب خطیب کوہ نور ملو راویپ مڈی نے فرمائی۔ اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے استقبالیہ کلمات میں الاکین کا خیر مقدم کرتے ہوئے حفاظت دین اور مدارس میں بیہ پرواہی و غفلت کی وسیع و ہمہ گیر خدمات اور دارالعلوم کے ایک نئے شعبہ "دائرة المعارف القرآنیہ" (دارالمحفظ والتجوید) کے قیام پر بھی خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا فرمایا۔ اس کے بعد مولانا سمیع الحق صاحب نے دارالعلوم کی سالانہ کارگزاری مصارف اور عداوت آمد و خرچ پر مفصل رپورٹ پیش کی۔

آپ نے بتایا کہ گزشتہ دارالعلوم کو مختلف مدت سے بارہ لاکھ سولہ ہزار ترانوے روپے اکسٹھ پیسے (۶۱ - ۱۲۱۶۰۹۳ روپے) کی آمدنی ہوئی۔ جب کہ مختلف شعبوں پر بارہ لاکھ اکتیس ہزار ایک سو اکتالیس روپے اسی پیسے (۸۸ - ۱۲۱۴۳۱۳ روپے) خرچ ہوئے۔ سال رواں کے لئے آپ نے گیارہ پچاسی ہزار اسی سو اسی ترانوے روپے بیس پیسے (۲۰۵ - ۸۹۸۸۵۱۱ روپے) کا میزانیہ پیش کیا جس کا تفصیلی نقشہ شامل اشاعت ہے۔

ارکان شوریٰ نے پریکٹ پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اور منظوری عنایت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے گزشتہ سال وفات پانے والی عالم اسلام کی اہم دینی و علمی شخصیت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا اور دیگر وابستگان دارالعلوم کے لئے دعائے مغفرت کی :

یکم و یقعدہ ۱۴۰۲ھ پرنسپل کلینۃ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیہ واسناد وجامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جناب الشیخ

بلال دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ بعد نماز عصر آپ نے طلباء سے خطاب بھی فرمایا۔

نقشہ میزانیہ دارالعلوم حقانیہ

برائے سالِ رواں مسئلہ ۱۰ اخراجات مسئلہ ۱۱ (میزانہ ۱۱) لاکھ پچاسی ہزار آٹھ سو اٹھانوے روپے میں پیسے

میزانیہ ۱۴۰۲ھ		اخراجات ۱۴۰۱ھ		مذرات
۲,۹۰۰.۰۰	-	۲,۲۶,۸۹۸	۱۱	مطبوع
۵,۰۰۰	-	۲,۹۶۶	۲۵	ڈاک
۲۳۰۰	-	۲,۸۹۶	..	نقد امداد
۶۰۰	-	۳۸۰	..	کرایہ مکانات
۳,۵۰۰.۰۰	-	۲,۶۳,۳۶۶	۳۵	روشنی و فٹنگ
۵,۵۰۰	-	۵,۵۶۶	..	صابن
۱,۳۵۰	-	۹۹۹	۷۵	اخبارات
۱,۵۰۰	-	۳,۲۸۶	..	اشاعت
۱,۳۰۰	-	۱,۰۶۷	۵۰	امتحانات
۶۰۰	-	۱۰۹	..	پانچیمہ
۸,۵۰۰	-	۳,۲۲۲	..	کتاب خرید و مرمت
۴,۱۰۰.۰۰	-	۴,۱,۸۴۷	۵۱	سفارت
۲۰,۰۰۰	-	۲,۰۵۳	۵۰	اسٹیشنری
۲,۵۵۱.۰۰	-	۲,۲۰۱,۲۷۰	۳۹	منخواہ والاؤنس مدرسین و عملہ
۶۲۲.۰۰	-	۴,۸,۱۲۸	۱۴	تعلیم القرآن (ڈبل سکول)
۱,۰۰۰	-	۴,۱۵۷	۷۰	ڈاکٹر لکچر خرید و مرمت
۱۰,۰۰۰	-	۵,۸۴۰	۷۰	سامان خرید و مرمت
۳,۶۰۰	-	۹,۴۹۸	۹۰	آب رساقی
۶,۰۰۰	-	۸,۱۲۱	۲۰	آمدورفت
۱,۵۰,۰۰۰	-	۷,۹۶۳	۱۹	تعمیر دارالاقامہ
۸۵۴	-	۸,۹۷۲	..	تعمیر کچن
—	-	۳,۸۳,۶۳۱	۸۳	تعمیر دارالحفظ
۲۵۸	-	۲,۰۲۴	۷۰	قبرستان
۲۵,۰۰۰	-	۱,۰۷,۷۶۰	..	مرمت تعمیرات
—	-	۲,۷۶۶	..	تکبیل عمارت دورا المدرسین
۳,۵۰۰	-	۵,۹۲۱	۹۵	ٹیلیفون
۴۰	-	۷۱	۲۰	بنک کمیشن
۵۰۰	-	۵۰۰	..	آؤٹ فیس
۲۰۰	-	۲۰۷	۱۵	درس ریکارڈ
۳۵۰	-	۱,۲۵۵	..	لاؤڈ سپیکر خرید و مرمت
۲,۰۰۰	-	۳,۳۱۰	..	تبلیغ (مطبوعات موقر المصنفین)
—	-	۱,۸۴۳	۵۰	تجهیز و تکفین
۲,۲۰۰	-	۷,۵۲۱	۵۷	سونی کیس
—	-	۱,۸۱,۱۰۰	۰۰	الیکٹریک ڈاکٹر کولر
۱,۱۰,۰۰۰	-	۹,۴۰,۸۲۲	۹۸	ماہنامہ الحق
۲۰,۹۰۹	۲۰	۱,۰۰۰	..	وفاق المدارس
۵۹۰	-	—	..	میٹر بجلی
۱,۲۵,۰۲۰	-	—	..	زمین خرید برائے تعمیرات
۱۱,۰۵,۸۹۸	۲۰	۱۲,۳۱,۱۴۱	۸۸	میزان

وضو تو تم رکھنے کے لئے جوتے پہننا بہت
ضروری ہے ہر مسلمان کی کوشش
ہونی چاہیئے کہ اس کا وضو قائم رہے۔

سروس انڈسٹریز

پائیدار - دلکش - موزوں اور
واجبی نرخ پر جوتے بناتی
ہے



سروس شوز

قدیم حسین قدیم قدم

جوینٹر کیڈٹ کورس

میں شامل ہو کر اپنے مستقبل کو درخشاں بنائیے
چار سال میں بی۔ اے/بی۔ ایس۔ سی کی ڈگری اور ریگولر کمیشن حاصل کیجئے

اس کورس کے ذریعے ہونہار میٹرک پاس نوجوانوں کو پاکستان کی بری فوج میں
آفسر بننے کا موقع فراہم کیا جا رہا ہے۔

سٹرکٹ اہلیت

قومیت: (۱) پاکستان کے مرد شہری

(۲) آزاد کشمیر کے شہری اور سیٹ سبجکٹ کلاس I

ازدواجی حیثیت: غیر شادی شدہ

عمر: (۳۱ مارچ ۱۹۸۳ کو) (۱) سولہین: ۱۵ تا ۱۸ سال

(۲) فوجی: ۱۷ تا ۲۰ سال

تعلیم

(۱) سولہین: میٹرک (فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن) یا مساوی

(۲) فوجی: آرمی سپیشل سرفٹیکٹ آف ایجوکیشن یا آرمڈ فورسز میٹرکولیشن
امتحان (فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن)

نا اہلیت

مندرجہ ذیل اس یکم کے لئے درخواستیں دینے کے اہل نہیں،

(۱) ایسے امیدوار جو آئی ایس بی سے دو مرتبہ سکین آؤٹ یا مسترد ہو چکے ہوں۔

(۲) ایسے امیدوار جنہیں آرمڈ فورسز اپیل میڈیکل بورڈ نے مسترد کر دیا ہو۔

(۳) ایسے امیدوار جنہیں مستقل طور پر میڈیکل بورڈ/سی ایم بی نے مسترد کر دیا ہو،

ماسوائے ان کے جنہیں بعد میں اپیل میڈیکل بورڈ نے موزوں قرار دے دیا ہو۔

(۴) ایسے کیڈٹ جنہیں آرمی/نیوی/ایئر فورس کے تربیتی اداروں/اکیڈمی سے نااہلیت

یا ڈسپنس کی بنا پر علیحدہ کر دیا گیا ہو/نکالا گیا ہو/یا جو مستعفی ہو چکے ہوں۔

(۵) ایسے امیدوار جو فوج یا سرکاری ملازمت سے برخاست/ڈسچارج یا علیحدہ کر

دیئے گئے ہوں۔

(۶) ایسے امیدوار جو انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کر چکے ہوں یا سیکنڈ ایئر الین۔ اے/

الین۔ ایس۔ سی میں پڑھ رہے ہوں
اہل انتخاب

(۱) موزوں امیدواروں کو کسی بھی روز ماسوائے تعطیلات کے ۲ اکتوبر
۸۲ء کے درمیان صبح آٹھ بجے کسی آرمی سلیکشن اینڈ ریکرڈمنٹ سنٹر واقع

راولپنڈی، لاہور، ملتان اور حیدرآباد میں ذاتی طور پر حاضر ہونا چاہیئے

(۲) مثالی عملاتوں کے امیدواروں کے لئے جوئینٹر کیڈٹ اور بی۔ ایم۔ اے۔

کورس کا ابتدائی انتخاب کلکتہ اور سکودو میں مندرجہ ذیل پروگرام کے مطابق

(۱) پبلک سکول کلکتہ ۴ نومبر تا ۱۲ نومبر ۱۹۸۲ء

(۲) گورنمنٹ کالج سکودو ۱۳ نومبر تا ۱۵ نومبر ۱۹۸۲ء

مزید انتخاب

(۱) جن امیدواروں کو آرمی سلیکشن اینڈ ریکرڈمنٹ سنٹر منتخب کریں گے

ایک میڈیکل بورڈ معائنہ کرے گا اور وہ جو پاس ہو جائیں گے ان کا آئی ایس

بی میں ٹیسٹ/انٹرویو ہوگا۔

(۲) حتمی انتخاب جی ایچ کیو کرے گا۔

نوٹ

مندرجہ ذیل دستاویزات لانا مت بھولئے

(۱) پاسپورٹ سائز فوٹو کی چار کاپیاں جو کسی افسر (گریڈ کلاس I) سے تصدیق

(۲) میٹرک کا اصل یا پروویژنل سرٹیفیکٹ

(۳) کیریئر سرٹیفیکٹ منجانب ہیڈ ماسٹر/پرنسپل/کلاس I گریڈ آفیسر

(۴) سٹیزن شپ سرٹیفیکٹ اگر آپ ۱۳ اپریل ۱۹۵۱ء کے بعد پاکستان

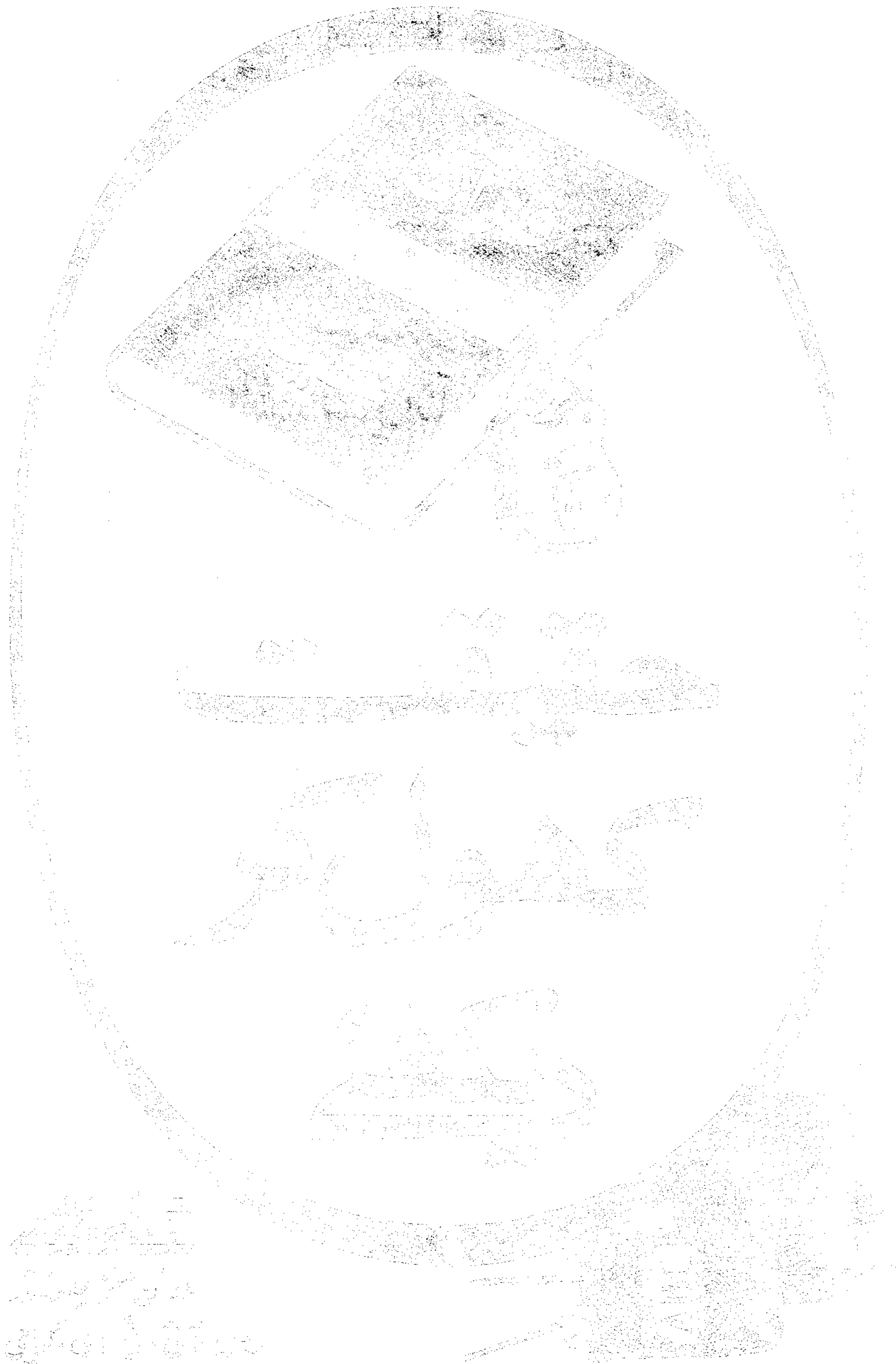
منتقل ہوئے ہوں۔

فوجی امیدوار محکمے کے ذریعے آرمی سلیکشن اینڈ ریکرڈمنٹ سنٹر سے رجوع



پاکستان آرمی

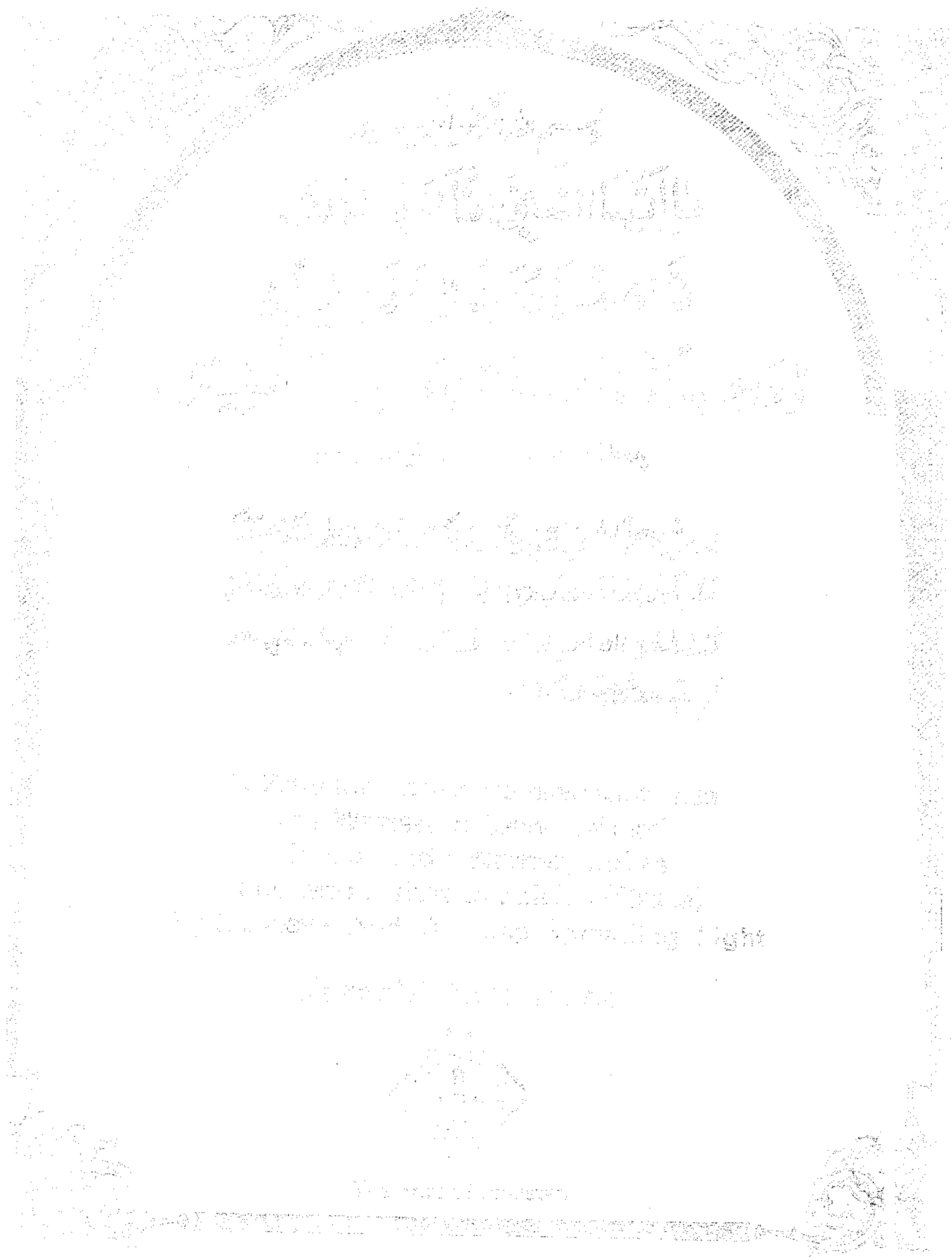
بے خوف قیادت - بے لوث خدمت



1871
1872
1873
1874
1875
1876
1877
1878
1879
1880
1881
1882
1883
1884
1885
1886
1887
1888
1889
1890
1891
1892
1893
1894
1895
1896
1897
1898
1899
1900

1910-1911

1910-1911



1910-1911
1910-1911
1910-1911
1910-1911
1910-1911

1910-1911
1910-1911
1910-1911
1910-1911
1910-1911

1910-1911
1910-1911
1910-1911
1910-1911
1910-1911

1910-1911



1910-1911